جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلّہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

صفر المظفر ۱۴۳۱ھ / فروری ۲۰۱۰ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست





کلمۃ الحق مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

این۔آر۔او کا خاتمہ ایک تاریخی فیصلہ

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے قومی مفاہمتی آرڈیننس (این، آر، او) کو آئین پاکستان سے متصادم قرار دے کر ختم کردیا ہے، اس تاریخی فیصلہ پر عدالت عظمیٰ کے تمام ججز بشمول محترم جناب چیف جسٹس صاحب بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں اور بلا شبہ یہ فیصلہ وطن عزیز کے ہر معقول شہری کے دل کی آواز اور ان کی توقعات کا ترجمان ہے اس لئے سب اہل وطن اس پر انتہائی خوش ہیں۔

این آر او سے ایک دوسرے کے جرائم پر پردہ ڈالنے کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا شکر ہے کہ اس فیصلہ سے وہ سلسلہ ختم ہوا ورنہ مختلف حیثیتوں سے بے شمار لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے اور ملک وقوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا، جرم بہر حال جرم ہے چاہے وہ کسی سے بھی سرزد ہوا ور اسے قانونی تحفظ دینا بدترین جرم ہے۔

جو ملک اسلام کے نام پر بنا اور جس کے آئین میں طے ہے کہ یہاں کے تمام قوانین قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھال دیئے جائیں گے پھر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ یہاں کے ارباب اقتدار کے جرائم کو قانونی تحفظ دینے کیلئے آرڈیننس جاری کئے جاتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔

اسلام کے نظام عدل وانصاف کی خوبی تو یہ ہے کہ جب حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں ایک بڑے خاندان کی عورت (جس پر چوری ثابت ہونے کے بعد ہاتھ کاٹنے کی اسلامی سزا جاری کرنے کا فیصلہ کردیا گیا تھا) کیلئے سفارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور غصہ سے سرخ ہوگیا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی (العیاذ باللہ) تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

کاش کہ اس مملکت اسلامیہ جمہوریہ میں بھی اسلام کے قانون عدل وانصاف کا بول بالا



ہو اور جرم کی قرار واقعی سزا سے کسی کو بھی چاہے وہ وزیر اعظم ہو یا صدر مستثنیٰ نہ رکھا جائے۔

ہمارے تمام مسائل کا حل اسی میں ہے کہ آئین پاکستان کی طے شدہ شق ۲۲۷ کے مطابق تمام قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھال کر نافذ کر دیا جائے، لیکن قرآن وسنت کے مطابق قوانین تو در کنار افسوس کہ بعض روشن خیال حضرات پر اس مملکت کے نام کے ساتھ ،،اسلامیہ،، کا جملہ بھی شاق ہے، وہ نام کی حد تک بھی اس کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے اور اس حقیقت کو دل سے قبول کر لیں کہ یہ وطن عزیز اسلامی قوانین کے نفاذ کیلئے ہی بنایا گیا تھا اور ان قوانین کے نفاذ کے بغیر یہ کبھی بھی فلاحی ریاست نہیں بن سکتا، امید ہے کہ اس تاریخی فیصلہ سے ایک دوسرے کے جرائم کی پردہ پوشی اور تحفظ کا رجحان ختم ہوگا اور یہ فیصلہ ملک کے بزرجمہران کیلئے ایک تازیانہ عبرت ثابت ہوگا۔

این آر او کے خاتمہ کے بعد عدالت عظمیٰ نے ایک اور تاریخی فیصلہ یہ کیا کہ جن لوگوں نے بینکوں سے قرضے لے کر انہیں معاف کرالیا تھا چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری، جسٹس خلجی اور جسٹس عارف حسین نے قرضوں کی اس معافی کو غیر قانونی قرار دے دیا، یہ فیصلہ بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس پر بھی یہ تمام حضرات مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۹ء تک جن حضرات نے قرضے لئے ان کی تعداد انیس ہزار سات سو گیارہ اور ان حضرات نے جو قرضے معاف کرائے ہیں ان کی مجموعی رقم ایک سو ترانوے ارب روپے بتائی گئی ہے۔

ملک میں اس وقت غربت، بجلی، پانی، گیس اور ہوش ربا گرانی کے جو بحران ہیں اس کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں ان میں ایک بڑا سبب یہ ہے کہ قومی دولت کو چند مخصوص افراد نے قرض کے طور پر حاصل کر کے اپنے اثر ورسوخ سے معاف کرالیا اور اسے شیر مادر سمجھ کر حلق سے نیچے اتار کر ایسے خوشگوار طریقے سے ہضم کیا کہ ڈکار تک نہ لی گویا ،،اینجا مردانند کہ دریاہا فرو خوردندو آروغ نمی کشیدند،، کے مصداق ان کے معدے بڑے قوی ہیں قومی دولت کو لوٹنے والے حضرات کی اس فہرست میں ملک کے بہی خواہ اور ہمدرد اور لیڈران کرام کے اسماء تو نظر آتے ہیں لیکن دینی مدارس، جامعات اور دینی جماعتوں سے وابستہ افراد میں کسی بھی فرد کا نام اس فہرست



میں نہیں ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ وہ قومی دولت لوٹنے کے اس اعزاز سے محروم ہیں جبکہ انہیں قوم پر بوجھ اور نہ جانے کن کن القابات سے نوازا جاتا ہے یہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

بہرحال عدلیہ کا یہ فیصلہ نہایت صائب اور قوم کی آرزوؤں کے مطابق ہے، ضرورت اس کی ہے کہ فوری طور پر یہ خطیر رقم متعلقہ افراد سے واپس لے کر قومی خزانے میں جمع کی جائے تاکہ مختلف بحرانوں سے قوم کو نجات حاصل ہو اور وہ سکھ چین کا سانس لے سکیں۔

مولانا حافظ عبدالرحیم مرحوم

مورخہ ۱۳ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ بمطابق ۳۱ دسمبر ۲۰۰۹ء بروز جمعرات صبح نو بجے اطلاع ملی کہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب خطیب جامع مسجد صابری سرگودھا انتقال کر گئے ہیں انا اللہ وانا الیہ راجعون، ان سے گذشتہ ہفتہ مدینۃ العلوم سرگودھا میں بڑی تفصیلی ملاقات ہوئی تھی لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ثابت ہوگی۔

مرحوم بڑے خوش مزاج زندہ دل اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی خوبیوں سے نوازا تھا، ان کی افتادِ طبع کی وجہ سے ہر ایک شخص ان سے محبت کرتا تھا، ان کے والد ماجد جناب حافظ عبدالرشید صاحب مرحوم نہایت درویش اور سادہ مزاج پرانے طرز کے بزرگ تھے انہوں نے ساری زندگی قرآن کریم کی خدمت کی ان کی نیکی اور دعاؤں کا اثر تھا کہ مولانا مرحوم نے بچپن سے ہی دین کی تعلیم کی طرف توجہ کی اور حفظ قرآن کریم کے بعد درس نظامی کی تکمیل بھی کی، مدینۃ العلوم، سراج العلوم، انوار العلوم شہر سرگودھا کے یہ تمام قدیم مدارس ان کی مادر علمی تھے، انہوں نے وقت کے جید علماء کرام سے پڑھا اور استفادہ کیا حضرت مولانا وفاء اللہ صاحب عثمانی، حضرت قاری جلیل الرحمٰن صاحب صدیقیؒ، حضرت مولانا مفتی احمد سعید صاحب، حضرت مولانا قاری عبدالسمیع صاحب اور حضرت شیخ الحدیث مولانا خدا بخش صاحب سابق مدرس جامعہ امینیہ دہلی ان کے مشہور اساتذۂ کرام میں شامل تھے، یہ سب حضرات دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ امینیہ دہلی کے فضلا اور اپنے وقت کے جید علماء کرام میں شمار کئے جاتے تھے اور بڑے

بڑے مشاہیر کا ان کے تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔

دورہ حدیث شریف مرحوم نے سراج العلوم سے کیا، مرحوم ساری عمر امامت وخطابت اور قرآن کریم کی تعلیم کے مبارک مشغلہ میں مشغول رہے، آخر میں وہ مختلف امراض کا شکار ہوئے ان کی صحت بہت بہتر اور قابل رشک تھی لیکن ذیابیطس وغیرہ امراض نے ان کو اس طرح گھیرا کہ وہ دن بدن کمزور ہوتے چلے گئے اور بالآخر یہ مرض ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

احقر نے اپنے بچپن میں انہیں پہلی مرتبہ انوار العلوم سرگودھا میں دیکھا اس وقت ان کی صحت بہت ہی بہتر اور قابل رشک تھی، حضرت اقدس والد ماجد قدس سرہ سے خاص گہرے تعلق کی وجہ سے احقر سے بھی بڑی شفقت سے پیش آتے تھے، ان کے والد ماجد کا نکاح ان کے دادا مرحوم کی فرمائش اور خواہش پر حضرت جد امجد مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہ اللہ نے پڑھایا تھا، اس واقعہ کا ہر ملاقات میں بڑے دلچسپ انداز میں وہ تذکرہ کرتے تھے، اس واقعہ سے ان حضرات کے ساتھ ایک ایسا تعلق قائم ہوا جو بحمداللہ تعالیٰ برابر چلا آ رہا ہے، اسی دیرینہ تعلق کی وجہ سے مولانا مرحوم نے اپنی دختران کے نکاح پر حضرت اقدس والد ماجد قدس سرہ کو دعوت دی اور حضرت نے بڑی خوشی اور مسرت سے اس میں شرکت فرمائی، نکاح احقر نے پڑھائے جبکہ خطبہ اور دعا حضرت نے فرمائی۔

حضرت قاری جلیل الرحمان صاحب رحمہ اللہ کے بعد حضرت مولانا وفاء اللہ عثمانی رحمہ اللہ مدرسہ مدینۃ العلوم کے ناظم اعلیٰ بنے، آپ کے بعد متفقہ طور پر مولانا مرحوم کو مدرسہ کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا، مدرسہ کے تعلیمی وتعمیری تمام معاملات میں ان سے برابر مشورہ ہوتا رہا، اور ان کے مشورے سے تمام معاملات طے ہوئے اور بحمداللہ تعالیٰ مدرسہ نے خوب ترقی کی، احقر سے انہیں بے حد تعلق تھا، اپنی متعلقہ مساجد ومدارس میں اکثر وہ بڑے اصرار اور محبت سے احقر کو دعوت دیتے، احقر ہمیشہ ان کی دعوت پر خوشی وغمی میں حاضر ہوتا اور وہ بھی بڑی محبت اور خوش دلی سے ہر موقع پر ساہیوال آتے اور اسے اپنی سعادت سمجھتے، ان کی والدہ ماجدہ مرحومہ کا جب انتقال ہوا



تو انہوں نے جنازہ کیلئے احقر سے کہا، حالانکہ وہ انہیں وصیت بھی کر چکی تھیں کہ جنازہ تم نے پڑھانا ہے، ہمارا آپس کا تعلق تو برسہابرس سے تھا لیکن ان کے ساتھ حرمین شریفین میں چالیس دن کی رفاقت ومعیت ہمیشہ یاد رہے گی اس مبارک سفر میں ان کی بہت سی صفات وملکات سے احقر واقف ہوا اور طبیعت ان سے متاثر ہوئی اگر چہ ظاہری طور پر وہ عامیانہ انداز میں رہتے تھے لیکن حقیقت میں بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔

اس سفر میں انہوں نے احقر کی بڑی خدمت کی اور ہر طرح کا آرام پہنچایا، چونکہ اس سفر حج میں منٰی، مزدلفہ، عرفات میں حضرت شیخ مولانا مشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم کی رفاقت بھی نصیب رہی، اس طرح ہمارا یہ سفر بڑے خوشگوار طریقہ سے گذرا فللّٰہ الحمد ولہ الشکر مرحوم ہمیشہ اس سفر کا تذکرہ بڑی محبت سے کرتے اور ان کی خواہش تھی کہ ایک مرتبہ پھر احقر کی معیت میں یہ سفر ہو لیکن کم حسرات فی بطون المقابر، انہوں نے اپنی اولاد کو بھی دین پڑھایا اور اپنے بھانجوں کو بھی قرآن وحدیث کی تعلیم دلوائی، ہزاروں طلبہ کو قرآن کریم کی تعلیم دی اور کئی مدارس ومساجد سے ان کا تعلق رہا، ان کے خویش واعزہ اور ان کی نیک اولاد امید ہے کہ ان کیلئے بہترین صدقہ جاریہ ثابت ہوگی۔

ان کا جنازہ تین بجے شام سرگودھا کی مرکزی عیدگاہ کے گراؤنڈ میں ہوا عوام وخواص، علماء کرام وطلبہ اور ہر طبقہ سے وابستہ افراد کا بے پناہ ہجوم ان کی دینی خدمات اور ان سے محبت وتعلق کا آئینہ دار تھا، جنازہ پڑھانے کی سعادت احقر کو حاصل ہوئی۔

حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں، درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں ان کے تمام پسماندگان کو صبر واجر سے نوازیں آمین۔ فقط

احقر سید عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۲۵ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ



مفتی سید عبد القدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

قرآن اور پیغمبر قرآن کے مقابلہ میں جان و مال، اولاد و آبرو سب کچھ قربان کرنے کیلئے تو وہ تیار ہو گئے، مگر اس کیلئے کوئی آگے نہ بڑھا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے دو سطریں اس کے مقابلہ میں پیش کر دیتا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اپنے جاہلانہ اعمال و افعال کے باوجود منصف مزاج تھے، جھوٹ کے پاس نہ جاتے تھے، جب انہوں نے قرآن کو سن کر یہ سمجھ لیا کہ جب درحقیقت اس کلام کی مثل ہم نہیں لا سکتے تو محض دھاندلی اور کٹھ حجتی کے طور پر کوئی کلام پیش کرنا اپنے لئے عار سمجھا، کیونکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم نے کوئی چیز پیش بھی کر دی تو پورے عرب کے فصحاء و بلغاء اس امتحانی مقابلہ میں ہمیں فیل کر دیں گے، اور خواہ مخواہ رسوائی ہوگی، اسی لئے پوری قوم نے سکوت اختیار کیا، اور جو زیادہ منصف مزاج تھے انہوں نے صاف طور پر اقرار و تسلیم بھی کیا جس کے کچھ وقائع پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ عرب کے سردار اسعد بن زرارہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے اقرار کیا کہ:

''ہم نے خواہ مخواہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کر کے اپنے رشتے ناتے توڑے، اور تعلقات خراب کئے، میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں ہرگز جھوٹے نہیں، اور جو کلام وہ لائے ہیں بشر کا کلام نہیں ہو سکتا'' (خصائص ص ۱۱۶ ج ۱)

قبیلہ بنی سلیم کا ایک شخص مسمی قیس بن نسیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سے قرآن سنا، اور چند سوالات کئے جن کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تو یہ اسی وقت مسلمان ہو گئے، اور پھر اپنی قوم میں واپس گئے تو لوگوں سے کہا:

''میں نے روم و فارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام سنے ہیں، بہت سے کاہنوں کے



کلمات سننے کا تجربہ ہوا ہے، حمیر کے مقالات سنتا رہا ہوں، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی مثل میں نے آج تک کہیں نہیں سنا، تم سب میری بات مانو اور ان کا اتباع کرو" انہیں کی تحریک و تلقین پر ان کی قوم کے ایک ہزار آدمی فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہو گئے"۔ (خصائص، ص ۱۱۶ ج ۱)

یہ اقرار و تسلیم صرف ایسے ہی لوگوں سے منقول نہیں جو آپ کے معاملات سے یکسو اور غیر جانبدار تھے، بلکہ وہ لوگ جو ہر وقت ہر طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے قرآن کے متعلق ان کا بھی یہی حال تھا، مگر اپنی ضد اور حسد کی وجہ سے اس کا اظہار لوگوں پر نہ کرتے تھے۔ (معارف القرآن ص ۱۵۱ ج ۱)

....

ارشاد

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

جس کا کلام بھی پڑھا جائے اس سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے پھر صاحب کلام کے جذبات وخیالات کا اثر اس شخص پر پڑتا ہے۔ ناولوں، شعراء کرام، صوفیاء کرام کے ملفوظات ومکتوبات کے جو اثرات طبیعتوں پر ہوتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہیں، اسی طرح جو شخص کلام الٰہی سے تعلق رکھتا ہے لامحالہ حضرت حق جل مجدہ کے اوصاف کا اس پر اثر پڑتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ وہ سلوک جو کلام اللہ کی تلاوت سے ہو وہ قوی تر ہوتا ہے بہتر صورت یہی ہے کہ تلاوت تفکر کے ساتھ ہو (جو کچھ تلاوت کرے اس کا مفہوم ومطلب سمجھتا رہے اور اس پر غور کرتا رہے) اس صورت میں قوت مدرکہ جلد متاثر ہوتی ہے باقی صرف تلاوت سے بھی اثر ہوتا ہے اگرچہ بدیر۔

تلاوت کلام اللہ شریف کا ثواب احادیث میں تصریح کے ساتھ بتا دیا گیا ہے ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب پھر حرف سے مثلاً پورا الٓـمّ مراد نہیں بلکہ الف الگ حرف ہے لام الگ اور میم الگ (یعنی ایک مرتبہ الٓمّ پڑھنے سے تیس گنا ثواب ملتا ہے) مشائخ کرام نے تفصیل فرمائی ہے کہ وصول الی اللہ کے چند طریقے ہیں مثلاً (۱) عبادت وریاضت (۲) تلاوت کلام اللہ شریف (۳) ذکر (ذکر کی صورت زود اثر اس لئے ہے کہ وہ مدرکہ پر جلد ہی اثر انداز ہوتا ہے یعنی مدرکہ خاص مذکور کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور تلاوت کلام اللہ کی صورت میں توجہ دوسرے عجائبات قرآنیہ کی طرف مشغول ہو جاتی ہے)



مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

تشریح: شروع حدیث میں سوال کی ممانعت کا جو ذکر آیا ہے اس کا اشارہ قرآن پاک کی آیت یاایھا الذین امنو لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسئوکم کی طرف ہے بات یہ ہے کہ نئے نئے سوالات کرنا انسان کی فطرت ہے لیکن اس عادت کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طبائع کا رجحان موشگافیوں ہی کی طرف زیادہ بڑھ جاتا ہے اوران میں باتوں کی کھود کرید زیادہ پیدا ہو جاتی ہے اور عمل اسی نسبت سے کم نیز اس میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور بالخصوص پیغمبر وقت سے زیادہ سوال کرنے میں ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کی جانب سے جواب ملنے کے بعد امت کی پابندیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے غرض ان ہی وجوہ سے غیر ضروری سوالات کرنے کی صحابہ کرام کو بھی ممانعت فرمادی گئی تھی جس کے بعد وہ بہت ہی کم سوال کرتے تھے اوراس کے آرزومند رہا کرتے تھے کہ کوئی بدوی آئے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھے تو ہم کو بھی کچھ سننے کو مل جائے کیونکہ بیچارے بدویوں کے لئے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہاں بڑی وسعت تھی اوراسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس ہی کی یہ تصریح بھی اس بارے میں مروی ہے کہ بدوی آپ کے یہاں سوالات میں بڑے جری تھے اور جو چاہتے تھے بے دھڑک پوچھتے تھے (فتح الباری بحوالہ صحیح ابی عوانہ)

صحیح بخاری کی اسی حدیث کی روایت میں ہے کہ آخر میں چلتے ہوئے سائل نے یہ بھی بتلایا کہ میں قبیلہ بنی سعد بن بکر کا ایک فرد ہوں میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور میں اپنی قوم کی طرف سے نمائندہ ہو کر آیا ہوں نیز بخاری ہی کی روایت میں ہے کہ انہوں نے آکر پہلے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا تھا کہ :انی سائلك فمشدد علیك فی المسئلة فلا تجد علی فی نفسك فقال سل عما بدا لك میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں مگر سوال میں میرا رویہ سخت ہوگا تو آپ مجھ پہ خفا نہ ہوں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا



کہ پوچھو جو تمہارے جی میں آئے اس کے بعد وہ سوال وجواب ہوئے جو حدیث میں مذکور ہوئے۔

اس سائل نے چلتے ہوئے آخر میں قسم کھا کر جو یہ کہا کہ لا ازید علیھن ولا انقص منھن کہ میں ان میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا تو غالباً اس سے اس کا مطلب یہی تھا کہ میں آپ کی اس تعلیم وہدایت کا پورا پورا اتباع کروں گا اور اپنی طبیعت اور اپنے جی سے اس میں کوئی زیادتی کمی نہیں کروں گا اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں آپ کا پیغام جوں کا توں ہی اپنی قوم کو پہنچاؤں گا اور اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا۔

دوسری روایات میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم میں پہونچ کر بڑے جوش اور سرگرمی کے ساتھ تبلیغ شروع کی بت پرستی کے خلاف اتنی کھل کر تقریریں کی کہ ان کے بعض عزیزوں نے ان سے کہا: یا ضمام اتق البرص والجذام اتق الجنون اے ضمام برص کوڑھ اور جنون سے ڈر (دیوتاؤں کی مخالفت سے کہیں تو کوڑھی اور دیوانہ نہ بن جائے)۔

مگر اللہ پاک نے ان کی تبلیغ میں اتنی برکت دی کہ صبح کو جو لوگ ضمام کو کوڑھ اور دماغ کی خرابی سے ڈرا رہے تھے شام کو وہ بھی بت پرستی سے بیزار اور توحید کے حلقہ بگوش ہوگئے اور سارے قبیلے میں ایک شخص بھی غیر مومن نہیں رہا۔ فرضی اللّٰہ عنھم وعنا اجمعین۔

....

ارشاد

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

کتاب اللہ میں مقصود پانچ علوم ہیں: (۱) علم الاحکام (۲) علم المخاصمات بالفرق الباطلة وھم اربعة، الیھود والنصاری والمشرکون والمنافقون (۳) علم التذکیر بآلاء اللّٰہ (۴) التذکیر بایام اللّٰہ (۵) التذکیر بما بعد الموت من الحشر والنشر وغیر ذلک کما افادہ الشاہ ولی اللّٰہ المحدث الدھلویؒ فی الفوز الکبیر۔ پھر ان پانچوں کا خلاصہ تین چیزیں ہیں (۱) معرفة ذات اللّٰہ (۲) معرفة صفاتہ (۳) معرفة طرق الوصول الی اللّٰہ۔



محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

O فرمایا صوفیہ پر مشاہدہ کا غلبہ ہوتا ہے بعض اوقات اغنیا کی رعایت اس واسطے کرتے ہیں کہ یہ حق تعالیٰ کے وصف غناء کے مظہر ہیں گویا کہ ان کو ہر شے میں محبوب کی ہی شان معلوم ہوتی ہے۔

O احقر نے عرض کیا کہ کیا قطب تکوین کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اپنے قطب ہونے کا علم ہو کیونکہ وہ ایک عہدہ ہے فرمایا ہاں جیسا حسن میمندی جو سلطان محمود کا وزیر تھا اس کو تو اپنے وزیر ہونے کا علم تھا مگر ایاز کو اپنے محبوب ہونے کا علم ضروری نہیں کیونکہ محبوبیت کوئی عہدہ نہیں ایک قسم ہے قرب کی پس قطب الارشاد کیلئے یہ ضروری نہیں کہ اپنے قطب ہونے کو جان بھی لے

O فرمایا ایک وقت میں قطب متعدد بھی ہو سکتے ہیں شیخ ابن عربی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ہر بستی میں خواہ کفار ہی کی ہو قطب ہوتا ہے اس کلام کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ وہاں ہی کے باشندوں میں ہو اور باطن میں مسلمان ہو مگر کسی خاص حالت کی وجہ سے اخفاء کرے اور یہ بعید ہے دوسرا یہ کہ وہ اس جگہ مقیم نہ ہو لیکن وہ بستی اس کے تصرف میں ہو جیسا تھانیدار کہ اس کا تعلق دیہات سے بھی ہوتا ہے اور وہ خاص حالت موجب اخفاء زادِ دقیق ہے اور وہ بھی شیخ ابن عربی ہی کے کلام سے مفہوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس میں عقل نہ ہو جس کی وجہ سے کہ وہ مکلّف ہو مگر صحیح الحواس ہو جیسے حیوانات اور صبیان کے حواس درست ہوتے ہیں مگر اس کی ایک خاص علامت ہے اس لئے ہر کافر کو قطب نہ سمجھے اور وہ علامت یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہل باطن کا اس کے ساتھ معاملہ دیکھا جاوے اگر وہ اس کا ادب کرتے ہوں تو ادب کرے اور اس کے بارے میں کف لسان کرے ورنہ ہر کافر کا معتقد نہ بنے کیونکہ اس طرح تو جہاد وغیرہ سب بند ہو جائے گا۔

O فرمایا اتبعوا السواد الاعظم میں اگر کثرت عددی ہی مراد ہو تو سواد اعظم سے مراد خیر القرون کے زمانہ کا سواد اعظم ہے کہ اس میں اہل خیر غالب اور کثیر تھے۔



فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

اصلاحی مکاتیب

سالکین کے خطوط اور حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کے جوابات

حال: کیف الطریق الی الخلاص من سیطرۃ حب الدنیا علی القلب اذانی فی الصلٰوۃ تراودنی وساوس کثیرۃ (ترجمہ) حب دنیا سے چھٹکارے کا کیا طریقہ ہے اور یہ کہ دوران نماز وساوس کثرت سے آتے ہیں۔

ارشاد: علاج حبّ الدنیا استحضار فنائھاوبقاء الآخرۃ،وکثرۃ الوساوس لایضرّ اذا لم تکن عملاً وّ قصدًا لانّ الانسان لایکلّف الابمافی وسعہ (ترجمہ از مرتب) حب دنیا سے چھٹکارے کا علاج فناء دنیا اور بقاء آخرت کا استحضار ہے، باقی کثرت وساوس مضر نہیں جبکہ قصداً ان کو نہ لایا جائے ،قصداً سوچنا مضر ہے، بلا قصد جو وسوسہ دل میں آئے وہ اختیاری نہیں ہے اور غیر اختیاری کا انسان مکلّف نہیں ہے۔

حال: مجھے صاف اور اچھے کپڑے پہننا اچھا لگتا ہے۔

ارشاد: لاحرج فیہ ان کان لاعلی وجہ التکبّر (ترجمہ از مرتب) کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ تکبر نہ ہو۔

حال: مجھے وساوس آتے ہیں اس کا علاج کیا ہے۔

ارشاد: لاحول ولاقوۃ کا ورد زیادہ رکھیں۔

حال: انسان کیسے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مداومت رکھے۔

ارشاد: ہمت اور دعا توفیق سے۔

حال: جب ذکر اللہ کرتی ہوں تو کچھ صفاء القلب محسوس کرتی ہوں۔

ارشاد: یہ ذکر اللہ کی برکت ہے۔

حال: لیکن جب دنیاوی کاموں میں مشغول ہوتی ہوں تو وہ صفاء زائل ہو جاتا ہے۔



ارشاد: زائل نہیں ہوتا دب جاتا ہے محسوس نہیں ہوتا۔

حال: مجھے غصہ جلدی آجاتا ہے اس کا علاج کیا ہے۔

ارشاد: اعوذ باللہ کی کثرت۔

حال: کیا جو آیات قرآنیہ یاد کی ہیں انہیں یاد رکھنا واجب ہے اور بھولنا گناہ ہے۔

ارشاد: خود بخود بھولنا گناہ نہیں ہے کہ بے اختیاری ہے البتہ یاد رکھنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے

حال: مجھے زیادہ ذکر الموت نہیں آتا دعا فرمائیں کہ ذکر الموت میرے قلب میں راسخ ہو جائے۔

ارشاد: کلّ نفس ذائقة الموت اور اینما تکونوا یدرکم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدة جیسی آیات جن میں موت کا تذکرہ ہے ان پر توجہ رہے ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے ورد سے رسوخ فی القلب حاصل ہو جائے گا۔

حال: میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صراط مستقیم پر قائم رکھیں اور میری اصلاح کامل فرمائیں اور ہر قسم کے شر و فتنہ سے بچائیں اور بغیر حساب کے جنۃ الفردوس میں داخل فرمائیں۔

ارشاد: دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر قائم رکھیں نماز میں اهدنا الصراط المستقیم بہت زیادہ توجہ سے پڑھا کریں اور ولا تکلنی الی نفسی طرفة عین کا ورد بھی رکھیں بغیر تعداد۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شر و فتن سے محفوظ رکھیں آمین اللّٰھم ادخلنا جنّة الفردوس بغیر حساب۔

حال: فی الاجازة تضیع کثیر من الاوقات فی الفضول ،وفی الاشتغال احیاناً قد اترك بعض الاوراد والادعیة فهل فی ذالك نقص الایمان۔

ارشاد: لا نقص فی الاشتغال احیانا بعض الاوراد والادعیة۔

حال: یغنی احیانا التفکر فی حالی وکثرة تفریطی وغفلتی ،فاعزم علی اصلاح النفس فماتلبث نفسی ان تسوف بالمجاهدة ۔

ارشاد: فهذا انعم والتفکر فی الحال یصلح حالك وبارك ان شاء اللّٰه ویکون سببا لاصلاح النفس والقلب۔



فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

ہمارے دینی مدارس

یعنی

تاریخ مدارس دینیہ

بعد الحمد والصلوٰۃ:

گذارش آنکہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں شائع شدہ مضامین ''اسلام کا ابتدائی نظام تعلیم'' اور ''قدیم نظام تعلیم کی ایک جھلک'' نظر سے گذرے، اپنی افادیت اور ضرورت زمانہ کے لحاظ سے یہ دونوں مضامین بہت ہی اہم اور وقیع معلوم ہوئے مگر بہت طویل اور متفرق قسطوں میں شائع ہونیکی وجہ سے عام طور پر ان سے استفادہ مشکل تھا اس لیے خیال آیا کہ ان مضامین میں سے مختصر طریقہ پر انتخاب کر کے بعض ضروری اور مناسب مضامین کے ساتھ ایک مختصر مجموعہ مرتب کر دیا جائے تا کہ اس کا نفع عام ہو اور اس سے استفادہ کرنا بھی آسان ہو اور متفرق مضامین بھی یکجا دستیاب ہو سکیں۔

چنانچہ یہ کتابچہ ''ہمارے دینی مدارس یعنی تاریخ مدارس دینیہ'' انہی مضامین بالا سے منتخب اور مرتب کیا گیا ہے اور کہیں کہیں ''نبوی نظام تعلیم'' مرتبہ منشی عبدالرحمٰن صاحب جھلیک ملتان سے بھی اس میں استفادہ کیا گیا ہے اور کتب تاریخ وغیرہ کے حوالہ جات کے متعلق بھی ان مضامین میں دیے ہوئے حوالجات پر ہی اعتماد کیا گیا ہے۔

آجکل علوم دینیہ اور مدارس دینیہ کی طرف سے مسلمانوں میں عام طور پر جو بے اعتنائی اور بے توجہی پائی جارہی ہے وہ تو قابل شکایت ہے ہی مگر زیادہ تر افسوس اس کا ہے کہ اب بعض ایسے حضرات بھی دینی مدارس کو عموماً بےکار اور عضوِ معطل کی طرح ہی سمجھنے لگے ہیں جن کا ذہن دینی اور تبلیغی ہے اور ان کے اکابر و اسلاف نے ہمیشہ ان مدارس دینیہ کی سرپرستی فرمائی اور



گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

اس کتابچہ کے پڑھنے کے بعد عہد نبوت اور زمانہ خلافت راشدہ سے لے کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان پر قبضہ کر لینے تک عام مسلمانوں اور سلاطین اور امراء اسلام کے علوم دینیہ اور مدارس دینیہ کے ساتھ تعلق اور شغف کے حالات اور چیدہ چیدہ واقعات معلوم ہو کر ان حضرات کی غلط فہمی دور ہوگی، امید ہے کہ مدارس دینیہ کی طرف رغبت وشوق اور علوم دینیہ کے بقاء وتحفظ کی ضرورت واہمیت کا احساس پیدا ہوگا۔

ناظرین کو اس کتابچہ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ قدیم زمانہ میں دینی مدارس کی ضروریات کے پورا کرنے کیلئے بڑی بڑی زمینیں وقف ہوتی تھیں اور امراء اسلام اس نیک مقصد کیلئے اپنی املاک کو وقف کرنا بڑی سعادت سمجھتے تھے اسی لیے زمانہ قدیم میں دینی مدارس کیلئے تحصیل چندہ کا موجودہ طریقہ رائج نہیں تھا۔

اور اس سے یہ سوال بھی حل ہو جائے گا کہ جب قدیم زمانہ سے دینی مدارس کی کفالت کا سامان بڑی بڑی جائیدادوں اور اوقاف کی آمدنیوں کی صورت میں موجود تھا تو پھر انگریزی حکومت کے دور میں مدارس دینیہ کے احیاء اور علوم دینیہ کے تحفظ وبقاء کیلئے تحصیل چندہ کا موجودہ طریقہ کیوں اختیار کیا گیا تھا جس کو اس وقت عام طور پر سطحی نظر سے دیکھنے والے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ابتداء اسلام میں جس وقت تک سلاطین اور امراء کے ایسے اوقاف معرض وجود میں نہیں آئے تھے جن سے دینی ضروریات کو پورا کیا جاتا تھا تو علوم دینیہ اور تمام امور خیر کی انجام دہی مسلمانوں کے عمومی چندہ سے ہی ہوتی تھی خود آنحضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض امور خیر کیلئے اصحاب خیر کو چندہ کی رغبت دلائی ہے اور آج بھی قومی اور ملکی ضروریات کیلئے چندہ کرنے کو نہ صرف یہ کہ عیب نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کو بہت بڑی قومی اور ملکی خدمت سمجھا جاتا ہے۔

مگر افسوس کہ علوم دینیہ کیلئے تحصیل چندہ جس سے ''ملت اسلام'' کی حفاظت ہوتی ہے جو بنیاد ہے ''ملک اسلام'' کی حفاظت کی شرفاء اسلام اور معززین قوم کی نگاہ میں خار ہے۔



چندہ کا رائج الوقت طریقہ تو شرفاء اسلام کی نگاہ میں قابل ترک ہے مگر وہ اس پر غور نہیں فرماتے کہ اگر یہ طریقہ اس وقت اختیار نہ کیا جاتا یا اب اس کو ترک کر دیا جائے تو دین اور علوم دینیہ کی حفاظت کی اس وقت اور کیا صورت تھی یا اب کیا صورت ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ اختیار کر کے علمائے کرام نے ملت اسلام کو مٹنے سے بچا لیا کیا یہی وہ گناہ عظیم ہے جس کی پاداش میں علوم دینیہ کے حاملین اور ملت اسلامیہ کے ان محافظین کو قوم کی نگاہ میں عضو معطل کی طرح سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ گروہ اور دینی مدارس قوم پر بلاوجہ کا ایک بوجھ ہے اور ان پر قوم کا روپیہ خرچ کرنا اپنے سرمایہ کو ضائع کرنا ہے، فالی اللہ المشتکی ۔

بہرحال اس کتابچہ سے معلوم ہوگا کہ کن ضرورتوں اور مجبور کن حالات میں علماء کرام نے چندہ کے اس مروجہ طریقہ کو اختیار اور برداشت کر کے علوم دینیہ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا تھا اور اب بھی اس فرض کی انجام دہی میں مشغول ہیں ۔

یہ بات بھی اہل نظر کیلئے قابل غور رہے کہ کیا اب وہ اسباب اور حالات باقی نہیں رہے جن کی وجہ سے چندہ کا یہ مروجہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا؟ اللہ تعالیٰ احقر کی دینی مدارس کی اس ناچیز خدمت کو قبول فرما کر نافع اور مفید فرماویں آمین ۔

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
خادم مدرسہ عربیہ حقانیہ
ساہیوال ضلع سرگودھا
۲۶ر رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً: قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انما بعثت معلماً۔ ترجمہ: میں تو صرف معلم واستاذ کی حیثیت سے آیا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد بالا سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اوردنیا میں تشریف آوری کا مقصد ہی انسانی دل ودماغ میں ایسی دینی تعلیم کی روشنی کا پیدا کرنا ہے جس کے ذریعہ سے انسان دنیا میں اپنے مالک حقیقی خداوند عالم کی مرضی کے موافق زندگی بسر کرسکے اور وہ تعلیم انفرادی، اجتماعی، دنیاوی واخروی تمام حالات میں اس کی راہنمائی اورہدایت کرسکے اسلامی تعلیم کی اس ہمہ گیر جامعیت کے پیش نظر فطری اورطبعی طور پر اسلام میں تعلیم وتعلم علم سیکھنے اورسکھلانے کو جتنی اہمیت حاصل ہے اتنی کسی مذہب میں نہیں ہے اس اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر حکومت اسلامیہ کے ترقی اورعروج کے زمانہ تک کے عام مسلمانوں کی اسلامی تعلیم کے ساتھ دلچسپی اوروابستگی کے چیدہ چیدہ مختصر حالات اورامراء اورحکام اسلام کی علوم دینیہ کے اندر سعی اورکوشش کے چندواقعات پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

عہدرسالت اورمکی زندگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد کی بارہ سالہ مکی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اورمددگاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر چہ رات دن حوادث وافکار کا ہجوم رہتا تھا لیکن اس آزمائشی دور میں بھی جس قدر پرسکون لمحے مسلمانوں کو مل جاتے تھے ان میں بھی وہ قرآن پاک کی تعلیم کا خصوصی اہتمام کرلیا کرتے تھے اس دور کے ایسے تمام مقامات کو جن میں مسلمانوں نے (خواہ تھوڑے عرصے کے لیے ہو) بیٹھ کر پڑھنے پڑھانے کا خصوصی انتظام کیا تھا ہم ان کو ''دینی مدرسہ'' سے موسوم کرتے ہیں۔

مدرسہ صحن ابی بکر رضی اللہ عنہ

سب سے پہلے جس مقام کو ہم اس دور میں تعلیم کا مرکز اورمدرسہ کہہ سکتے ہیں حضرت



ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ چبوترہ ہے جو آپ کے گھر کے سامنے تھا جس پر آپ نماز اور قرآن پڑھا کرتے تھے اور کفار کے لڑکے اور عورتیں آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور قرآن کو سنتے تھے، یہ بات کفار مکہ کو ناگوار ہوئی اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس جگہ کے چھوڑنے پر مجبور کیا (بخاری، کتاب بدء الخلق)

مدرسہ دار ارقم

مکی زندگی میں ایسی خاص مرکزی جگہ جس میں مسلمان تعلیم کے لیے بلا روک ٹوک آتے جاتے ہوں اور اس میں طلبہ کیلئے خورد ونوش کھانے پینے اور قیام کا بھی انتظام ہو اس پریشانی اور بے سروسامانی کے دور میں بظاہر اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا مگر حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی، جب ہم ارباب تاریخ وسیر کی دار ارقم کے متعلق بتلائی ہوئی تفصیلات کو دیکھتے اور پڑھتے ہیں یہ مقام کوہ صفا کے دامن میں تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چالیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ قیام پذیر تھے جن میں مرد اور عورتیں سب ہی شامل تھے اس گھر کے زمانہ قیام میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کو قبول کیا تھا اس مکان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیام پذیر تھے اور باقاعدہ تعلیم وتعلم میں مشغول رہے حضرت ابوبکر، حضرت حمزہ، حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام اس مکان میں رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا تعلیمی مشغلہ جاری تھا اس مدرسہ دار ارقم کے نظام پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان سے بھی روشنی پڑتی ہے ان کے فرمان کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''مسلمان ہونیوالوں کو ایک ایک دو دو کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی صاحب حیثیت کے پاس بھیج دیتے تھے اور یہ لوگ اس کے پاس رہ کر کھانا کھاتے تھے چنانچہ میرے بہنوئی کے گھر بھی دو آدمی موجود تھے ان میں سے ایک خباب بن ارت تھے، خباب میرے بہنوئی اور بہن کے پاس جاجا کر قرآن کریم کی تعلیم دیا کرتے تھے'' یہ مدرسہ دار ارقم حضرت عثمان بن ارقم کے مکان میں قائم تھا یہ مکان اس زمانہ میں دار ارقم کی بجائے اسلام کا مرکزی تعلیمی مقام



ہونیکی وجہ سے دارالاسلام کے نام سے مشہور ہو گیا تھا"۔(سیرت حلبیہ)

اسلام کے ابتدائی دور کے اس مختصر مدرسہ کا انتظام ناظرین کرام کے سامنے ہے کہ:

(۱)طلبہ کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی۔

(۲)یہی جگہ پڑھنے کی بھی تھی اور رہائش کی بھی۔

(۳)طعام کا انتظام یہ تھا کہ طلبہ مالدار صحابہ کے گھروں پر بطور وظیفہ کے کھانا کھایا کرتے تھے۔

اس دور ابتلاء اور آزمائش کے زمانہ میں تعلیم کے اس قدر انتظام اور اہتمام سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلام میں تعلیمی مراکز اور مدارس دینیہ کے قیام کی کتنی ضرورت اور اہمیت ہے۔

مدرسہ شعب ابی طالب و مدرسہ بیت فاطمہ

اس کے علاوہ مکہ معظمہ میں ہجرت کے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی اور بہن کے مکان پر بھی حضرت خباب کے قرآن پڑھانے کا ذکر اوپر آچکا ہے نیز "مدرسہ بیت فاطمہ" اور "مدرسہ شعب ابی طالب" (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اپنے ساتھیوں کے ۷نبوی سے لے کر ۱۰نبوی تک قریش مکہ کے ظالمانہ مقاطعہ کرنیکی وجہ سے تین سال کا زمانہ اسارت گذرا ہے) وغیرہا میں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا اس کے نتیجہ میں فضلاء مکہ کی ایک جماعت تیار ہوگئی اور دوسرے مقامات پر بھی وہ تعلیمی کام کرنے لگی۔

مدرسہ حبشہ

جب کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی تو انہوں نے وہاں پر بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اسکو مدرسہ ارض حبشہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

مدنی زندگی

اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہجرت سے بھی پہلے تعلیم دینے کیلئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ روانہ فرمایا، انہوں نے سعد بن ضرارہ کے مکان



پر تعلیم قرآن کا باقاعدہ سلسلہ جاری فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معدودے چند کے علاوہ تقریباً تمام انصار مدینہ مسلمان ہو گئے اور اپنے بت توڑ دیے اور جب مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ سے لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو ان کا خطاب مقری یعنی معلم پڑ چکا تھا (جمع الفوائد)

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے پہلے مقری استاد کا لقب حضرت مصعب کے نصیب میں تھا جس سے وہ معزز ہوئے اور انصار مدینہ کی مسجد بنی زریق میں حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ اور مسجد بنی بیاضہ میں حضرت سعد بن ضرارہ رضی اللہ عنہ پڑھایا کرتے تھے اور دار سعد بن خثیمہ نیز بنو نجار، بنو عبد الاشہل، بنو ظفر اور بنو عمرو بن عوف وغیرہم کے محلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی تعلیمی مراکز اور مدارس قائم ہو چکے تھے۔

مدرسہ قبا

اور مدرسہ قبا کا تو ایک مستقل نظام تھا جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے بھی پہلے ہی قائم ہو چکا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور مہاجرین عموماً قبا ہی میں قیام پذیر ہوتے تھے۔

مدرسہ صفہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد مسجد نبوی کی بنا رکھی گئی اور حجرہ شریف کی پشت پر جانب شمال باب جبریل علیہ السلام اور باب النساء کے درمیان ایک وسیع چبوترہ ''دکۃ الاغوات'' کے نام سے موسوم تھا اس پر جو حضرات فروکش ہوتے تھے وہ ''اصحاب صفہ'' کہلاتے تھے اور یہی چبوترہ کبھی ''اصحاب صفہ'' کا ''صفہ'' تھا یہاں پر طلبہ کا ہجوم رہتا، بعض اوقات سینکڑوں کی تعداد ہو جاتی تمام اصحاب صفہ کی مجموعی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے مختلف اوقات میں اس صفہ کے طالب علموں کی تعداد ستر، اسی تک پہنچ جاتی تھی، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ کام سپرد تھا کہ جو امداد اصحاب ثروت کی طرف سے ان طلبہ کیلئے آوے اس کی حفاظت کریں اور بحصہ مساوی اس کو ان پر تقسیم کر دیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ



طعام کا انتظام ہوتا تھا کھانے کے سلسلہ میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ کھجوروں کے گچھے مالدار صحابہ بھیج دیا کرتے تھے اور بعض مالدار صحابہ ان طلبہ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور انہیں کھانا کھلا دیتے ان میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نہایت فیاضی سے کام لیتے تھے حتی کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اسی اسی طلبا کو اپنے ہمراہ گھر لے جا کر ان کو کھانا کھلاتے (زرقانی)

جامعہ صفہ کے فاضلین قراء کہلاتے تھے یہیں کے طلبا نے دنیا میں اسلام کے علوم کو پھیلایا اور وہی حضرات باہر تعلیمی خدمات کے لئے بھیجے جاتے تھے۔

عہد رسالت میں جامعہ صفہ کے علاوہ مدینہ منورہ کے اندر دوسرے مدارس کا ذکر بھی علامہ سمہودی نے کیا ہے بعض کا ذکر اوپر اجمالی طور پر ہو بھی چکا ہے۔

عہد خلافت راشدہ

عہد رسالت کے بعد خصوصیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حجاز اور ہر اسلامی آبادی میں قرآن مجید کی تعلیم کے لیے مستقل حلقے اور مکاتب قائم فرمائے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو دمشق شام کی جامع مسجد میں قرآن پاک کی تعلیم کے لیے مقرر فرمایا ایک مرتبہ طلبہ کا شمار کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو (۱۶۰۰) طالب علم ان کے حلقہ درس میں شریک ہیں (طبقات القراء للذہبی ص ۶۰۶)

قرآن مجید کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درس حدیث کے حلقے بھی قائم فرمائے اس کام کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک گروہ کے ساتھ کوفہ اور معقل بن یسار، عبداللہ بن معقل اور عمران بن حصین کو بصرہ اور عبادہ بن صامت اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہم کو شام میں مقرر فرمایا اور لوگوں کو تاکید کی کہ ان سے حدیث کی تحصیل کریں (ازالۃ الخفاء)

علامہ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے جو مکاتب قائم کیے تھے ان میں معلمین کی تنخواہیں مقرر تھیں اور ہر معلم کو پندرہ پندرہ درہم بیت المال سے ملتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان مدارس کو اور زیادہ وسعت حاصل ہوئی اور تمام ممالک مفتوحہ میں جا بجا مکاتب اور مدارس قائم ہو گئے۔



عہد خلفاء وامراء اسلام

عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے بعد اسلامی آبادی اور فتوحات میں اضافہ ہونے کے ساتھ تعلیمی مکاتب میں بھی ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ خلفاء اور امراء اور ارباب ثروت نے اپنے اپنے گھروں پر بھی تعلیمی انتظام کیا اور کوئی قابل ذکر اسلامی آبادی ایسی نہیں ملتی جس میں درس وتدریس کا انتظام نہ ہو تعلیم مفت ہوتی تھی غریب طلبہ کے کھانے کپڑے اور لکھنے پڑھنے کی ضروریات بغیر کسی معاوضہ کے پوری کی جاتی تھیں۔

عہد قدیم کے علمی حلقوں کی اب صرف دو یادگاریں باقی ہیں پہلی ٹیونس کی جامع زیتون ہے جو تیسری صدی ہجری میں قائم ہوئی تھی یہ درس گاہ اس زمانہ کے عام طرز کے مطابق ٹیونس کی جامع اعظم میں قائم ہے اور شروع سے اب تک خاص عظمت وشہادت کی مالک ہے۔

دوسری یادگار مصر کا جامع ازہر ہے یہ عظیم الشان جامع مسجد فاطمی سلاطین مصر کے زمانہ کی یادگار ہے جامع ازہر کی تکمیل ۳۶۱ھ میں ہوئی ہے مگر اس کی علمی زندگی کی ابتداء چوتھی صدی اواخر سے ہوئی ہے مسجد کا وسیع صحن اور اندرونی حصہ قدیم طرز کے علمی حلقوں کی درس گاہوں کے طور پر کام آتا ہے جامع ازہر اسلامی دنیا کی سب سے بڑی اور قدیم یونیورسٹی ہے جو ایک ہزار سال سے جاری ہے اور آج جبکہ تقریباً تمام قدیمی مدارس صفحۂ ہستی سے محو ہو چکے ہیں یہ یونیورسٹی اپنی اسی قدیم شان وشوکت کے ساتھ باقی ہے دس پندرہ ہزار طلبا اس کے اندر تعلیم حاصل کرنے والے اور سینکڑوں اساتذہ اس میں تعلیم دینے کے لیے موجود رہتے ہیں۔

جامع ازہر کے مصارف واخراجات کے لیے مصر کے مختلف سلاطین نے جو جاگیریں وقف کی ہیں ان کی سالانہ آمدنی لاکھوں پونڈ ہے ابھی قریبی زمانہ میں دوسری جنگ سے کچھ پہلے کی بات ہے کہ مصر کے سابق شاہ فاروق نے اپنی جیب خاص سے ساٹھ ہزار مصری پونڈ جامع ازہر کو عطا کیے تھے حکومت کی سرپرستی اور اوقاف کی آمدنی کی بدولت آج بھی یہ جامع ازہر اپنے اقتدار اور عظمت کے لحاظ سے اس درجہ اونچا اور بلند ہے کہ شیخ الازہر کے منصب کو مصر کی وزارت عظمٰی سے بڑھ کر سمجھا جاتا ہے۔



علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ "مدرسے کے بانی اول اہل نیشاپور ہیں جہاں سب سے پہلے مدرسہ بیہقیہ کی بنیاد ڈالی گئی (ج ۴ص ۳۶۲) اور تاریخ فرشتہ میں ہے کہ "۴۱۰ھ میں سلطان محمود غزنوی نے اپنے پایہ تخت غزنی میں ایک جامع مسجد عروس الفلک کے نام سے تعمیر کروائی اور اس کے ساتھ ایک عظیم الشان مدرسہ بھی تعمیر کرایا تھا مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ بھی تھا جو نادر الوجود کتب سے معمور تھا مسجد و مدرسہ کے اخراجات کیلئے سلطان نے بہت سے دیہات کی آمدنی وقف کردی تھی"۔

سلطان محمود کی اس مثال سے تھوڑے ہی دنوں میں غزنی کے اطراف وجوانب میں بے شمار مدرسے قائم ہوگئے اور سلطان کے فرزند سلطان مسعود نے تو اپنے عہد سلطنت میں اس کثرت سے مدرسے قائم کئے کہ تاریخ فرشتہ کے بیان کے مطابق زبان ان کا شمار کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔ اسی زمانہ میں ابن خلکان کی روایت کے مطابق علامہ ابواسحاق اسفرائنی (المتوفی ۴۱۸ھ) کیلئے نیشاپور میں ایک مدرسہ قائم ہوا۔

ان مدارس کے قیام کے کچھ عرصہ کے بعد دولت سلجوقیہ کے مشہور علم دوست وزیر نظام الملک طوسی (المتوفی ۴۸۵ھ) نے نیشاپور اور بغداد میں دو دارالعلوم قائم کئے جن کو تاریخ کے اوراق میں نظامیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس دارالعلوم کیلئے جو بغداد ۴۵۹ھ میں قائم ہوا تھا چھ لاکھ دینار (تیس لاکھ روپے) کی گرانقدر رقم تو شاہی خزانہ سے مقرر تھی اور نظام الملک نے خود اپنی جاگیر کا دسواں حصہ اس کے لئے وقف کردیا تھا، طلباء کے لئے وظائف کا انتظام کیا گیا اور اساتذہ کیلئے بیش قرار مشاہرے مقرر کئے گئے۔

نظام الملک نے نہ صرف نیشاپور اور بغداد ہی میں دارالعلوم قائم کئے بلکہ اس نے حکم دے دیا کہ تمام ملک کے اندر جس جگہ بھی کوئی ممتاز عالم موجود ہو وہاں اس کیلئے ایک مدرسہ اور مدرسہ کے ساتھ ایک کتب خانہ قائم کردیا جاوے چنانچہ اس کے زمانہ میں ہزاروں مدارس اور کتب خانے قائم ہوئے اس کے قبل سلطان محمود غزنوی اور اس کے بیٹے سلطان مسعود غزنوی نے اپنے اپنے عہد میں بکثرت مدرسے قائم کئے تھے، نظامیہ کے قیام سے قبل بھی اسی نیشاپور



میں سعدیہ اور بیہقیہ کے نام سے دو بڑے دارالعلوم موجود تھے، سعدیہ سلطان محمود غزنوی کے بھائی امیر نصر نے قائم کیا تھا، امام الحرمین (امام غزالی کے استاد) نے بیہقیہ میں تعلیم پائی تھی جب نظامیہ قائم ہوا تو امام الحرمین کو اس کا صدر بنادیا گیا۔

امام غزالی جیسے یکتائے زمانہ نظامیہ کے خوشہ چینوں میں ہیں نظامیہ کے علاوہ بغداد میں تیس اور بڑے بڑے دارالعلوم قائم تھے جن کے متعلق علامہ ابن تریر نے لکھا ہے کہ ''ہر مدرسہ بجائے خود ایک مستقل آبادی معلوم ہوتا ہے'' اور نظام الملک کے بعد خلیفہ مستنصر باللہ عباسی نے بغداد میں ۶۳۱ھ میں ایک دارالعلوم المستنصریہ کے نام سے قائم کیا طلباء کے قیام وطعام، کاغذ قلم، دوات وغیرہ اشیاء بھی مدرسہ سے ملتی تھیں، اس کے علاوہ ایک ایک دینار (تقریباً پانچ روپے) ہر طالب علم کو ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، خلیفہ مستنصر باللہ نے ان مصارف کیلئے جو وقف کیا تھا اس کی آمدنی آجکل کے حساب سے تقریباً چار لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔

ہندوستان

ہندوستان میں اسلامی حکومت کا مستقل قیام ساتویں صدی ہجری کے شروع میں قطب الدین ایبک (۶۰۲ھ/۶۰۶ھ) سے شروع ہوتا ہے، اس پر بمشکل ایک صدی گذری تھی کہ ہندوستان علوم وفنون کا گہوارہ بن چکا تھا۔

علامہ مقریزی نے کتاب الخطط میں سلطان محمد تغلق کے زمانہ کی دھلی کی نسبت لکھا ہے کہ ''سلطان محمد تغلق کے عہد میں دہلی کے اندر ایک ہزار اسلامی مدارس قائم تھے جن میں مدرسین کیلئے شاہی خزانہ سے تنخواہیں مقرر تھیں، تعلیم اس قدر عام تھی کہ کنیزیں تک حافظ قرآن اور عالم ہوتی تھیں''۔

فیروز شاہ تغلق کے تعمیر کرائے ہوئے مدرسہ فیروز شاہی کے متعلق ضیاء برنی نے لکھا ہے ''مدرسہ کی عمارت نہایت وسیع ہے اور ایک بہت بڑے باغ کے اندر تالاب کے کنارہ پر واقع ہے ہر وقت سینکڑوں طلبا اور علماء وفضلاء یہاں موجود رہتے ہیں باغ کے کنجوں میں سنگ مرمر کے فرش پر نہایت آزادی کے ساتھ علمی مشاغل میں منہمک نظر آتے ہیں''۔

عالمگیر اورنگزیب کے عہد کے متعلق ایک مغربی سیاح نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے



''سندھ کے ایک مشہور شہر ٹھٹھہ میں مختلف علوم وفنون کے چار سو مدرسے قائم تھے''۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ ''نواب نجیب الدولہ کی سرکار سے نوسو علماء کو وظائف ملتے تھے'' (ملفوظات) روہیل کھنڈ جیسے غیر معروف خطہ میں پانچ ہزار علماء مختلف مدارس میں درس دیتے تھے اور حافظ رحمت اللہ علی خان کی ریاست سے تنخواہ پاتے تھے۔

مختصر یہ کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں نے علم کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور سلاطین اور امراء بھی علمی فیاضی اور علماء وطلباء کی خدمت کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کو نجات اخروی کا ذریعہ سمجھتے تھے، سلاطین وامراء کی جانب سے علماء وطلباء کیلئے جائیدادیں وقف تھیں ان کی آمدنی ان کے خوردونوش اور تعلیمی مصارف کیلئے کفیل تھی اور اس طرح ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک تمام تعلیم عام اور مفت ہوتی تھی اور علماء اور طلباء بھی اپنے اپنے متعلقین کے لئے کسب معاش سے مطمئن ہو کر فراغت وسکون خاطر کے ساتھ درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے نہ تو منتظمین مدارس کو چندوں کی اپیل کرنیکی ضرورت پیش آتی تھی نہ ہی طلباء کو دست نگر سمجھ کر طالب علمی کو عزت نفس کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے آنے سے پہلے تک یہی نظام تعلیم جاری تھا، دہلی، آگرہ، لاہور، ملتان، جونپور، لکھنو، خیرآباد، پٹنہ، اجمیر، سورت، دکن، مدراس، بنگال اور گجرات وغیرہ کے بہت سے مقامات علم وفن کے مرکز تھے صرف ایک صوبہ بنگال کے متعلق انگریز مصنف کیبری ہارڈی نے میکس مولر کے حوالہ سے یہ کیفیت بیان کی ہے ''انگریزی عملداری سے قبل بنگال میں اسی ہزار مدارس تھے اس طرح ہر چار سو آدمیوں پر ایک مدرسہ کا اوسط نکلتا ہے اسی صوبہ بنگال میں سلاطین وامراء نے مدارس کیلئے جو جائیدادیں وقف کی تھیں ان اوقاف کا مجموعی رقبہ مسٹر جیمز گرانٹ کے بیان کے مطابق بنگال کے چوتھائی رقبہ سے کم نہ تھا اوقاف کے علاوہ سلاطین وامراء نقد وظائف کے ذریعہ سے بھی اہل علم کی اعانت کرتے تھے مدارس اور درسگاہوں کا ملک میں پھیلا ہوا یہ عظیم الشان سلسلہ کیونکر ٹوٹا اور یہ مدارس ومکاتب کیونکر تباہ کئے گئے اس سوال کے جواب کیلئے بارہویں صدی ہجری اور اٹھارہویں صدی عیسوی کی ہندوستانی سیاسی تاریخ کا جاننا ضروری ہے۔



ہندوستانی سیاسی تاریخ

ایسٹ انڈیا کمپنی جو ابتدا میں صرف تجارتی اغراض ومقاصد لے کر ہندوستان میں داخل ہوئی تھی ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی مشہور جنگ نے اس کو ایک نئی اور زبردست طاقت میں تبدیل کردیا یہ نئی طاقت جس زمانہ میں ظہور پذیر ہوئی اس وقت بدقسمتی سے ہندوستان کی مرکزی طاقت پارہ پارہ ہوچکی تھی اور ملک میں طوائف الملو کی کا دور دورہ تھا ہندوستان کی اسی سیاسی کمزوری سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور وہ آہستہ آہستہ اپنی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں سے ملک پر قابض ہوتی چلی گئی تا آنکہ انیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک پنجاب کے علاوہ پورے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کرلیا پرانے قانون اور قدیم نظام تعلیم وتہذیب کو منسوخ کردیا جن قدیم مصارف کیلئے سلاطین وامراء نے طویل مدت سے بڑے بڑے اوقاف مقرر کئے تھے (جن کی کچھ تفصیل اوراق گذشتہ میں گزر چکی ہے) کمپنی کی حکومت نے ان تمام اوقاف کو ۱۸۳۸ء میں ضبط کرلیا، وظائف حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ہی موقوف ہو چکے تھے اس وقت تعلیم کا تمام تر دارومدار ان ہی اوقاف پر تھا جو اس مقصد کیلئے مخصوص کیے گئے تھے، ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے جو بنگال میں ایک بڑے سول عہدے پر فائز تھا ۱۸۷۱ء میں ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' نامی کتاب لکھ کر اس سلسلہ کے تاریخی حقائق کو سرکاری کاغذات سے واشگاف کیا ہے ہنٹر لکھتا ہے کہ ''صوبہ بنگال پر جب ہم نے قبضہ کیا تو اس وقت کے قابل ترین افسر مال جیمز گرانٹ کا بیان ہے کہ اس وقت صوبہ کی آمدنی کا تخمیناً ایک چوتھائی حصہ جو معافیات کا تھا حکومت کے ہاتھ میں نہیں تھا''۔

۱۷۷۲ء وارن ہیسٹنگز نے اور ۱۷۹۳ء میں لارڈ کالونواس نے ان معافیات کی واپسی کی مہم شروع کی مگر ناکام رہی ۱۸۱۵ء میں حکومت نے پھر اس معاملے کو زور سے اٹھایا مگر عمل کی جرأت نہ ہوسکی، آخر ۱۸۳۸ء میں آٹھ لاکھ (۸۰۰۰۰۰) پونڈ کے خرچ سے مقدمات چلا کر ان معافیات اور اوقاف پر حکومت نے قبضہ پالیا۔ صرف ان معافیات کی آمدنی سے حکومت کی آمدنی میں تین لاکھ پونڈ یعنی تقریباً ۴۵ لاکھ روپے کا اضافہ ہوگیا اس کاروائی کا مسلمانوں کی علمی زندگی پر کیا اثر پڑا اس کی نسبت ہنٹر لکھتا ہے کہ ''سینکڑوں پرانے خاندان تباہ ہوگئے اور مسلمانوں



کا تعلیمی نظام جس کا دارومدار ان ہی معافیات پر تھا تہ وبالا ہو گیا مسلمانوں کے تعلیمی ادارے ۱۸ سال کی مسلسل لوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے"۔

اندازہ کیجئے کہ جب ایک دورافتادہ صوبہ بنگال میں جس کو اس زمانہ کے لحاظ سے کوئی خاص تعلیمی فوقیت اور مرکزیت حاصل نہ تھی تعلیمی اخراجات کیلئے چالیس لاکھ روپے سالانہ آمدنی کے اوقاف موجود تھے تو ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بالخصوص ان مقامات میں جن کو تعلیمی مرکزیت اور تفوق حاصل تھا کس قدر اوقاف ہوں گے۔

اوقاف کی ضبطی نے مسلمانوں کے نظام تعلیم پر ایک ضرب کاری کا کام کیا علماء اور اساتذہ جو اب تک ان ہی اوقاف کی آمدنی کی بدولت فکر معاش سے مطمئن اور بے فکر ہو کر درس وتدریس میں مصروف تھے وہ منتشر اور پراگندہ ہو گئے مدارس اور درس گاہوں پر سناٹا چھا گیا چنانچہ برک اپنی اس یادداشت میں جو برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کی گئی تھی لکھتا ہے "ان مقامات میں جہاں علم کا چرچا تھا اور جہاں دور دور سے طالب علم پڑھنے کیلئے آتے تھے آج وہاں علم کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا"۔

مگر ان حوادثات زمانہ اور گردش ایام کے باوجود بھی ہندوستان میں کچھ ایسے سخت جان علماء موجود تھے جن کا علمی فیضان کسی مالی اعانت وامداد کا چنداں محتاج نہ تھا دہلی میں حضرت مولانا مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کا خاندان اور لکھنؤ میں ملا نظام الدین کا گھرانہ اور خیرآباد کا مشہور علمی خانوادہ سینکڑوں میں چند ممتاز مثالیں ہیں ایسے حضرات ہر قسم کے حوادثات ومصائب کو برداشت کر کے اپنے کام میں مصروف اور علمی خدمت میں ہمہ تن لگے ہوئے تھے کہ ۱۸۵۷ء کی داروگیر کا قیامت خیز ہنگامہ پیش آ گیا گنے چنے جو علماء باقی رہ گئے تھے ان پر برطانوی گورنمنٹ نے بغاوت کا جرم عائد کر دیا ان میں سے بعض کو پھانسیاں دی گئیں بعض کالے پانی بھیج دیے گئے اور کسی کو جلاوطن کر دیا گیا جو بچے ان میں سے اکثر ممالک اسلامیہ کی طرف ہجرت کر گئے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی جو اس وقت ولی اللہی مسند علم کے جانشین تھے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے ۱۸۳۸ء میں اوقاف کی ضبطی نے جو قدیم مدارس کو



نقصان عظیم پہنچایا تھا انیس سال کے بعد ۱۸۵۷ء کے حادثہ نے اس کی تکمیل کر دی اب رہا سہا تعلیمی نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔

قدیم مدارس اور مذہبی تعلیم کے ذرائع آمدنی اور اس کے متعلقہ لاکھوں روپیوں کے ان اوقاف کے تباہ اور برباد کرنے کے علاوہ (جن پر مذہبی تعلیم کا دارومدار تھا) کمپنی کی حکومت کے ۱۸۱۳ء کے ایک قانون کے ذریعہ یورپ کے پادریوں کو ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کیلئے مشن اسکول کھولنے کا موقع ہاتھ آ گیا پادریوں کی سرگرمیاں جاری تھیں مشن اسکول کھولے جا رہے تھے جن میں حصول تعلیم کیلئے سہولتیں مہیا کی جا رہی تھیں کمپنی کے حکام پشت پناہ تھے اور ہر قسم کی امداد و اعانت بہم پہنچاتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملازمتوں کا لالچ تھا دوسری طرف کمپنی کی اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان کے بسنے والوں بالخصوص مسلمانوں کو مفلس بنا کر اور ملازمتوں کے حصول کی ترغیب دلا کر مشن اسکولوں میں تعلیم پانے پر مجبور کر دیا جاوے جو اس وقت عیسائیت کی تبلیغ کیلئے سب سے بڑے ذریعے سمجھے جاتے تھے اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹیں مسلمانوں کے علوم اور ان کا دینی شعور اور مذہبی شغف تھا۔

اس لئے ۱۸۳۵ء کا تعلیمی نظام مرتب کیا گیا جس کی روح اور مقصد لارڈ میکالے (جو کہ ۱۸۳۵ء کی تعلیمی کمیٹی کے صدر تھے) کے نزدیک یہ ہے وہ لکھتا ہے ''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہمارے اور ہماری رعایا کے درمیان مترجم کا کام دے سکے اور ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق، رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو'' اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کمپنی کی یہ سکیم اور اس کا یہ نظام تعلیم مسلمانوں کی مذہبی زندگی، قومی روایات اور علوم و فنون کیلئے سخت تباہ کن اور مہلک ترین حربہ تھا اسی دوران میں ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ پیش آ گیا جس کی بے پناہ تباہ کاریوں ہولناکیوں نے دلوں کو ہیبت زدہ دماغوں کو ماؤف اور روحوں کو پژمردہ اور پوری قوم کو مفلوج کر دیا، حالت یہ ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کو ذرائع معاش سے یکسر محروم کر دیا گیا تھا تعلیم سے بے رغبتی اور مذہب سے بیگانگی میں روز افزوں



ترقی اور اضافہ ہو رہا تھا اور یہ وقت قریب تھا کہ علماء کی وہ نسل جو سابقہ درسگاہوں کی تعلیم یافتہ اور مذہبی شعور و احساس اپنے اندر رکھتی تھی رفتہ رفتہ ختم ہو جائے ایسے حالات تھے جن کی وجہ سے ملک کے ارباب علم و فضل نے یہ محسوس کیا کہ سیاسی زوال و انحطاط اور حکومت سے محرومی کے ساتھ اب مستقبل میں مسلمانوں کا علم اور مذہب اور قومی زندگی بھی سخت خطرہ میں ہے ان کی دور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ فاتح قوم کے اثرات اور اس کے خصائص مفتوح قوم کے دل و دماغ اور علم و فکر پر اثر انداز ہو کر اس کے ملی شعائر، قومی خصائص اور فکر و عمل کی صلاحیتوں کو مٹا کر رکھ دیں گے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اسلامی روایات اور اسلامی طور طریقہ سے نفرت کرنے لگے گی اور اس کیلئے صرف فاتح قوم کی نقالی اور کورانہ تقلید و اتباع ہی سرمایہ افتخار و اعزاز بن کر رہ جائے گی اس وقت مذہبی تعلیم کے سوا اور کوئی چیز فائدہ مند اور کارگر نہ تھی جس سے اس خطرہ کا سد باب ہو سکے ایک یہی ایسی چیز تھی جس کے ذریعہ سے مسلمان اپنے مذہبی شعائر اور قومی خصائص کا تحفظ کر سکتے تھے اور مغلوب و محکوم ہونے کے باوجود وہ بحیثیت مسلمان قوم کے زندہ رہ سکتے تھے اسی لئے اس وقت علماء کرام اور مذہبی رہنماؤں نے گردوپیش کے غیر مساعد حالات اور زمانہ کے دنیوی تقاضوں سے بے نیاز ہو کر فاتح قوم کے ارادوں اور سکیموں کے علی الرغم مسلمانوں کو اسلامی علوم و فنون کی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دلائی جس کے ذریعہ ان میں آئندہ مذہبی شعور کو برقرار رکھا جا سکتا تھا اور اس کے لیے قدیم مذہبی مدارس کی نشاۃ ثانیہ کو ضروری سمجھا گیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے مدارس عربیہ قائم کیے گئے۔

مدارس عربیہ کی نشاۃ ثانیہ کا یہ کام ایسے ماحول اور دور میں شروع ہوا جبکہ قوم مسلم بحیثیت قوم مفلس و نادار اور حکومت متسلطہ کی دست نگر تھی اور وہ تمام اوقاف وغیرہ پہلے ہی ضبط کر لیے گئے تھے جن پر دینی تعلیم کی کفالت کا مدار تھا اسی مفلسی اور ناداری سے متاثر ہو کر بعض ہمدردان قوم نے محض دنیوی خیر خواہی کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت متسلطہ کی زبان اور علوم و فنون کے پڑھنے کو ضروری سمجھا تا کہ اس کے ذریعہ سے ملک میں منصب و عہدے بھی حاصل کیے



جاسکیں اور اس سے معاشی ضروریات بھی پوری کی جاسکیں اسی لیے انہوں نے اس مقصد کے لیے لارڈ میکالے کی تجویز کردہ تعلیمی سکیم کی ہمنوائی کرتے ایسے سکولوں اور کالجوں کی طرف رخ کیا جن کی ڈگریوں اور سارٹیفکیٹوں کے حصول پر ہی ملازمتوں اور عہدوں کے ملنے کا مدار تھا مگر اس کس مپرسی، بے بسی اور بے سروسامانی کی حالت میں بعض اہل دل اللہ والوں کے قلوب میں مدارس دینیہ کے احیاء کا داعیہ پیدا ہوا اور ایک مرد حق آگاہ اور درویش کامل عالم ربانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ السامی نے ۱۸۶۷ء میں توکلا علی اللہ دیوبند ضلع سہارنپور کی تاریخی مسجد چھتہ میں دارالعلوم کی بنیا درکھدی اور تعلیم و تبلیغ کا نبوی انتظام پھر سے قائم کردیا۔

الحمدللہ ایک مسجد میں شروع ہونے والا یہ دارالعلوم بہت جلد دنیائے اسلام کی بہت بڑی دینی درس گاہ بن گئی اور دور دراز ممالک اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے نہ صرف یہ کہ لوگ جوق در جوق علوم دینیہ اور فنون علمیہ کے حاصل کرنے کیلئے یہاں جمع ہونے لگے بلکہ ملک کے کونے کونے شہر شہر قریہ قریہ میں اس کی شاخیں قائم ہوگئیں اور شجرہ طوبیٰ کی شاخوں کی طرح ہر طرف پھیل گئیں اس دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل حضرات میں سے بہت سے حضرات آسمان علم پر مہر وماہ کی طرح چمکے جیسے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وغیرہم۔

ان میں سے صرف حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی دینی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پرانے قصبہ تھانہ بھون کی پرانی مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ کر اس زندہ دل درویش نے اصلاح امت کے لیے تعلیمی اور تبلیغی کتنا عظیم الشان کام کیا ہے حضرت والا کی تقریباً نوسو (۹۰۰) تصنیفات وتالیفات، مواعظ اور ملفوظات کے اوراق کو اگر آپ کے ایام زندگی پر پھیلایا جائے تو اوراق کی تعداد ایام زندگی سے بڑھ جاتی ہے۔

ہندوستان میں ان دینی مدارس سے کیسے کیسے علماء حق پیدا ہوئے اور انہوں نے مذہب وملک کی کیا کیا گرانقدر خدمات انجام دیں یہ ہمارے موضوع میں داخل نہیں اس وقت صرف اتنی



بات کا عرض کر دینا ضروری سمجھا گیا کہ علماء حق نے یہ دینی مدارس ایسے وقت میں قائم کیے جس وقت ان مدارس کے نظام تعلیم و تبلیغ کو نہ کسی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور نہ قومی خزانے کی پشت پناہی اور نہ ہی ملک کے لاکھوں روپیوں کی اوقاف کی آمدنی سے ان کو امداد حاصل ہوتی تھی بلکہ یہ نظام بظاہر صرف ملک کے دینی شعور و احساس رکھنے والے اہل خیر کی مالی امداد و تعاون اور چندہ کے موجودہ طریقہ پر چل رہا تھا اور در حقیقت بے سر و سامانی اور محض اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اس نظام کی بنیاد تھی ،غرضیکہ چندہ کے موجودہ مروج طریقہ کی بنیاد پر مدارس کا قیام کیا گیا اور ملک میں جا بجا مدارس قائم کر دیے گئے اس وقت سے یہ نیا نظام مدارس کے لیے جاری ہو گیا۔

علماء نے قوم کے سامنے دست سوال دراز کیا مدارس کے لیے چندے مانگنے ہر طرح کے طعنے سنے کئی قسم کے اعتراضات برداشت کیے مگر تعلیم مذہب کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور فاتح قوم انگریز کے منصوبے کو کامیاب نہ ہونے دیا مدارس نے نہ صرف یہ کہ کمپنی کی تجویز کردہ لامذہب بنانے والی مذکورہ تباہ کن سکیم اور مہلک ترین حربہ کی زد سے علم و مذہب کو بچا لیا اور عیسائیت کے تیز و تند طوفان اور بڑھتے ہوئے سیلاب عظیم کی لپیٹ سے ملک کو محفوظ کر لیا بلکہ مسلمانوں کو بحیثیت قوم مسلم کے مٹنے اور ختم ہونے سے بھی بچا لیا ورنہ یہ نظام تعلیم اور مشن اسکول اور عیسائیت کی اشاعت کے لیے پادریوں کی سرگرمیاں جس کے پیچھے حکومت وقت کی بے پناہ قوت کام کر رہی تھی ہندوستان کے مسلمانوں کو اسی طرح اپنی لپیٹ میں لے لیتے اور ہندوستان کے مسلمانوں کا وہی حال ہو جاتا جس طرح اسپین کے مسلمانوں کا حال ہو چکا تھا کہ وہاں کی عیسائی حکومت کی بدولت وہاں کے تمام باشندے عیسائی ہو چکے تھے (نعوذ باللہ منہ)

ان مدارس کا ملت و مذہب اور قوم مسلم کو اغیار کے حملوں سے بچا لینا ہی کیا ایسا ناقابل معافی جرم عظیم ہے جس کی پاداش میں سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان کے بننے والے بعض طبقے یہ کہتے نہیں جھکتے کہ تعلیم جدید کے اس دور میں دینی مدارس کا کیا فائدہ ہے ان پر قوم کی دولت اور وقت کیوں ضائع کیا جا رہا ہے؟ قوم کے ان ہمدردوں اور بہی خواہوں سے کیا یہ عرض



کیا جا سکتا ہے کہ اگر ان مدارس کو قائم نہ کیا جاتا اور لارڈ میکالے کا مرتب کردہ نظام تعلیم اور عیسائیت کی تبلیغ کے لیے حکومت متسلطہ کی مساعی کے سامنے علماء حق بھی گھٹنے ٹیک دیتے اور بڑے بڑے منصوبوں، عہدوں اور تنخواہوں کے لالچ میں آ کر انگریزی سکولوں اور کالجوں کا رخ کر لیتے تو کیا ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی دور کے تقریباً سو سالہ زمانہ میں مذہب کے تحفظ اور اس کے بقاء کی کوئی صورت باقی رہ گئی تھی۔

غور فرمایا جائے کہ جب مذہب ہی باقی نہ رہتا اور مسلمانوں کو بحیثیت قوم مسلم کے ختم کر کے عیسائیت اور لادینیت میں جذب کر لیا جاتا تو پھر پاکستان کے مطالبہ کرنے اور اس کی عمارت قائم کرنے کے لیے مسلم قومیت کا بنیادی نظریہ کہاں سے دستیاب ہوتا۔

یہ مدارس اسلامیہ کیا اسی لیے بے ضرورت ہیں اور ان پر قوم کی دولت اور وقت کا خرچ کرنا قومی سرمایہ کا ضیاع ہے کہ ان مدارس نے مسلم قومیت کا تحفظ کیا اور اس کو حکومت وقت کی پوری کوشش کے باوجود مٹنے نہیں دیا جس کے نتیجے میں دنیائے اسلام کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان قوم مسلم کو خداوند قدوس کی طرف سے عطا کی گئی ہے مگر ہم نے اس کی قدر نہیں کی اور اس میں اسلامی نظام جاری نہیں کیا جس کی وجہ سے اس کا ایک بہت بڑا حصہ علیحدہ ہو گیا اور باقی حصہ بھی خطرہ میں ہے۔ جس قوم کو ان مدارس کی مساعی جمیلہ کی بدولت اتنی عظیم الشان حکومت حاصل ہوئی ہو اور جو مدارس حکومت کی بنیاد "مذہب" کے محافظ ہوں کیا اسی قوم کا سرمایہ ان مدارس پر صرف کرنا بے فائدہ اور ضائع کرنا ہے؟

یاد رکھیے جس طرح دینی مدارس سے مذہب اور اسلامی قومیت کی حفاظت ہوتی ہے اسی طرح ملک کی حفاظت اور اس کے استحکام کا دارومدار بھی ان ہی مدارس پر ہے اور جس طرح مطالبہ پاکستان کے لیے مسلم قومیت اور مذہب اسلام مستحکم اور مضبوط چٹان کی طرح ثابت ہوئے جو ان سے ٹکرایا پاش پاش ہو گیا اسی طرح آج بھی پاکستان کے بقاء اور استحکام کے لیے ان کو وہی حیثیت اور مقام حاصل ہے جس کا ستمبر ۶۵ء کی جنگ میں مشاہدہ بھی ہو چکا ہے اور اسلام اور مسلم قومیت



کے بقاء اور حفاظت کی ضامن چونکہ صرف یہی دینی تعلیم ہے جو مدارس دینیہ میں حاصل ہوتی ہے اس لیے جتنی اہمیت اور ضرورت انگریزی دور میں دینی مدارس کے بقاء اور قیام کی تھی اس سے بڑھ کر ان مدارس کی آج پاکستان میں ضرورت ہے اس لیے کہ یہ مدارس جس طرح ملت اسلام اور دینی تعلیم کی حفاظت کے واسطے مضبوط قلعے ہیں اسی طرح ملک پاکستان کو بھی اغیار کے حملوں سے بچانے کے مضبوط و مستحکم اڈے ہیں۔ ان مدارس سے غفلت برتنا اور ان کے وجود کو ہی بے کار سمجھنا اور حسب استطاعت ان کی ترقی میں حصہ نہ لینا ملت اسلام اور ملک پاکستان دونوں کی بنیاد سے بے پرواہی برتنے اور چشم پوشی کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ملت اسلام اور ملک پاکستان کے پاسبان و محافظ، ان مدارس دینیہ کی امداد و حفاظت اور ان کے ساتھ تعاون کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں، آمین۔ وما علینا الا البلاغ المبین و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔ ۱۴ رمضان المبارک ۸۶ھ

....

ارشاد

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

سورۃ فاتحہ تمام کلام اللہ کا خلاصہ ہے کیونکہ یہ تینوں امور اس میں موجود ہیں الحمد للہ تا رحیم میں معرفت خدا جل مجدہ اور معرفت صفات خداوندی ہے مالک یوم الدین میں طریق وصول الی اللہ کے ایک شعبہ معاملہ مخلوق با لخلوق کی طرف اشارہ ہے اور اس کی اصلاح کی ترغیب و تنبیہ ہے اور ایاک نعبد و ایاک نستعین میں طریق وصول الی اللہ کے شعبہ ثانیہ معاملہ مخلوق با خالق کی طرف ایماء اور اس کی تصویر ہے الذین انعمت علیہم تا آخر میں الوصول الی اللہ کی جانب ایماء ہے نیز تذکیر آلاء اللہ پھر تذکیر بایام اللہ کی طرف اشارہ ہو گیا کیونکہ یہود و نصاریٰ نے احکام الٰہیہ میں عملاً یا علماً خلط و دخل کیا تھا اور تذکیر بایام کے سلسلہ میں انہی واقعات کو پیش کیا گیا جو انعام یا انتقام و غضب کے طور پر ظہور پذیر ہوئے۔ یہی فضیلت ہے جس کی وجہ سے اس کا نزول بار بار ہوا قرآن حکیم میں سبعاً من المثانی والقرآن العظیم فرمایا گیا، تحقیق یہ ہے کہ والقرآن العظیم میں عطف تفسیری ہے۔

مولانا وقار احمد صاحب زید مجدہ

خلفاء اسلام کی خدمات

افادات: از حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ

خلفاء اسلام جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وغیرہ یہ حضرات در حقیقت ذمہ دار ہے ملک کے نظام کے اور تنظیم ملت اور تنظیم امت کے ان حضرات نے پوری امت کے اور مغرب و مشرق کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا کہ نہ آپس میں لڑیں نہ جھگڑیں نہ تعصبات برتیں، نہ آپس میں گالم گلوچ کریں نہ سب وشتم کریں اگر کسی کو شبہ ہو تو محبت سے پیش کردیں، دوسرا محبت سے جواب دے، اگر سمجھ میں نہ آئے تو اسے معذور سمجھے اور یہ خیال کرے کہ ممکن ہے میں ہی غلطی پر ہوں دوسرا حق پر ہو، یہ کہنا کہ میں ہی حق پر ہوں دوسرا غلطی پر ہے رائے دہی کے معاملہ میں بالکل غلط چیز ہے۔

خلفاء کیلئے طریق عمل

سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنے ایک خلیفہ کو خلافت عنایت فرمائیں اس زمانے کے دستور کے مطابق پگڑی باندھی اور کچھ وصیتیں کیں اور کہہ دیا کہ تم میری طرف سے نائب ہو اور خلیفہ ہو، جا کر لوگوں کی تربیت کرو، اصلاح کرو، ان خلیفہ نے رخصت کے وقت عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت فرمایئے تا کہ میں اس نصیحت پر کار بند رہوں۔ حضرت نے دو باتوں کی نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ:۔ ،،نہ نبوت کا دعویٰ کرنا اور نہ خدائی کا دعویٰ کرنا،، خلیفہ یہ سن کر حیران اور پریشان ہوئے کہ حضرت! آپکا خادم، غلام برسوں آپ کی خدمت میں رہا کیا یہ مجھ سے ممکن ہے کہ میں خدائی کا دعویٰ کروں؟ تو حضرت نے یہ کیسی نصیحت فرمائی نصیحت فرماتے کہ بھائی عبادت میں ثابت قدم رہنا، اخلاق کی حفاظت کرنا مخلوق کی اصلاح کرنا اور یہ کہ خدائی کا دعویٰ نہ کرنا نبوت کا دعویٰ مت کرنا، یہ تو ہم لوگوں سے ممکن ہی نہیں اس نصیحت سے کوئی بات میری سمجھ



میں نہیں آئی فرمایا کہ اس کے معنی سمجھ لو پھر بات سمجھ میں آجائے گی ۔

فرمایا کہ خدا کی ذات وہ ہے کہ جو کہہ دے وہ اٹل ہو اگر وہ چاہئے کہ زمین بنے تو زمین بن کے رہے ۔ ناممکن ہے کہ نہ بنے ۔ ارادہ خداوندی پر مراد کا مرتب ہونا قطعی اور لازمی ہے یہ ناممکن ہے کہ حق تعالی ارادہ فرمائیں اور وہ پورا نہ ہو وہ تو قادر مطلق ہے ۔

اگر وہ ارادہ کرے کہ جہاں بنے تو اسے محنت کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ اسباب مزاحم کریں، وہ اسباب کے محتاج نہیں، اسباب کے تو وہ خالق ہیں وہاں تو منشاء ہے کہ ہو جا بس ہو جاتی ہے تو اللہ کی ذات وہ ہے کہ جو وہ ارادہ کرے اور کہہ دے وہ اٹل ہو، ٹلنے والی چیز نہ ہو ۔

اور دعوی نبوت کے معنی یہ ہیں کہ نبی کی شان یہ ہے کہ جو فرمادے حق ہو ۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ نبی کی زبان سے کوئی ناحق چیز نکلے ۔ جو نبی ﷺ فرمائیں گے وہ حق ہوگا اور جو کر کے دکھائیں گے وہ بھی حق ہوگا ناحق کا وجود نبی ﷺ کے ساتھ ممکن نہیں ہے ۔ نبی جو کہے گا وہ حق ہوگا اور اس کے خلاف باطل ہوگا نبی ﷺ کی جانب خلاف کبھی حق نہیں ہوسکتی ہے ۔ اگر تم نے جا کر یہ کہا کہ جو کہہ رہا ہوں وہی حق ہے اور میری رائے اتنی حق ہے کہ کوئی دوسرا سامنے نہیں آسکتا تو یہ در پردہ نبوت کا دعوی ہوگا ۔ میں تم کو اسی کی نصیحت کرتا ہوں کہ یہ دعوی نہ کرنا نبوت کا دعوی کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم یوں کہو کہ میں نبی ہوں ۔ بلکہ اپنے اندر خاص وہ شان پیدا کر کے جو نبی کے اندر ہوتی ہے یوں کہے کہ جو میں کہہ رہا ہوں وہی حق ہے اس کے خلاف سب باطل ہے اس چیز کا مدعی بننا در پردہ نبوت کا دعوی ہے اور جو یوں کہے کہ میں نے ارادہ کرلیا ہے وہ ہو کر رہے گا دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے مخلوق کٹ جائے، خون بہہ جائے مگر یہ ہو یہ در پردہ خدائی کا دعوی ہے یہ خدا کا کام ہے کہ جو وہ ارادہ فرمائے وہ اٹل ہو تو میں نے جو یہ کہا ہے کہ خدائی کا دعوی نہ کرنا اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ارادے کو یوں مت سمجھنا کہ یہ اٹل ہے اور ہونا ہی چاہئے اور اس کے خلاف ممکن نہیں حالانکہ ہر چیز میں تمہارا خلاف ممکن ہے یہ تو ہو دعوی خدائی کا حاصل ۔

اور دعوی نبوت کا حاصل یہ ہے کہ جو تمہاری زبان سے نکل جائے اس پر جمے رہو گویا کہ اس کے خلاف باطل ہے حالانکہ یہ ناممکن ہے وہ خدا کا مقام ہے اور یہ نبی کا مقام ہے ۔



تو حضرت شیخ نے بڑے بلیغ پیرائے میں نصیحت فرمائی ظاہر میں تو بڑی وحشتناک نصیحت تھی کہ خدائی کا دعویٰ نہ کرنا نبوت کا دعویٰ مت کرنا مگر جب معنی بیان کئے خدائی اور نبوت کے تو سمجھ میں آ گیا معلوم ہوا کہ بہت سے آدمی در پردہ خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ جو جمود کرتے ہیں کہ وہی صحیح ہے جو ہم کہہ رہے ہیں وہ در پردہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں ورنہ ان پر کوئی وحی یا الہام آرہا ہے کہ وہی حق کہہ رہے ہیں دوسرا حق کہہ نہیں سکتا ہے۔ وہ مسئلہ جو قرآن وحدیث سے ثابت شدہ ہے اس کے بارے میں تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہی حق ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں ہاں اپنی رائے اور فکر کے بارے میں یہ کہیں کہ یہ حق ہے یہ نہیں ہونا چاہئے۔

ان جھگڑوں کا فیصلہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب امت کا نظام بنا ہوا ہو پھر اس قسم کے مدعی مغلوب ہو جائیں گے اور واقعی جو حقانی لوگ ہیں وہ غالب آ جائیں گے۔ یہ کام ہے نظام و تنظیم کا جب تک تنظیم نہ ہو، نظام نہ ہو اس وقت تک معاملہ نہیں سلجھ سکتا ہے، اس خدمت کو انجام دیا ہے خلفاء اسلام نے یہ ہی درحقیقت ملک کے نظام اور تنظیم ملت کے ذمہ دار ہے۔ ان ہی حضرات نے امت کو جوڑا ہے اور ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا ہے۔

(ماخوذ خطبات حکیم الاسلام جلد ۹)

مولوی محمد عبید اللہ دار العلوم سرگودھا

جس قدر تسخیر خورشید وقمر ہوتی گئی!

یوں تو وہ انسان بھی لائق تحسین وقابل تعریف ہے جس کی فکری اور اصلاحی توجہ کا محور ومرکز مسلمانوں کا انحطاط وزوال اور اس کی اصلاح ہو (کہ مسلمان کیسے اپنی کھوئی ہوئی شان وشوکت اور وقار حاصل کر سکتے ہیں) لیکن وہ جو اس کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کے درد کو لئے پھرتا ہو اس کی سوچ کس قدر مبارک وقابل صد تحسین ہوگی۔

مفکر اسلام عظیم دانشور حضرت سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ بھی اسی انداز فکر کے حامل تھے کہ مسلمانوں کے انحطاط وزوال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ پوری انسانیت کیسے نفس پرستی، قوم پرستی، اقتدار پرستی اور مادہ پرستی کی ظلمتوں سے نکل کر اسلام کے عادلانہ اور منصفانہ نظام کے تحت آجائے۔ چنانچہ وہ عہد حاضر کے انصاف پسندوں، تاریخ دانوں بلکہ مغرب کے حقیقت پسندوں اور ذہنی، علمی، اور تکنیکی وسیاسی راہنماؤں کو وقتاً فوقتاً اس طرف توجہ دلایا کرتے تھے، ۱۲ مارچ ۱۹۹۵ء کو لکھنو کے جوار میں انسٹی ٹیوٹ آف انٹگرل ٹکنالوجی کی نئی بلڈنگ میں کمپیوٹر سنٹر کی افتتاحی تقریب کے موقع پر فرمایا: حضرات! علوم کے پیدا ہونے پھیلنے اور پھلنے پھولنے کے اس دور میں جس کی نظیر مشکل سے ملے گی یہ ایک غور طلب بلکہ جواب طلب سوال ہے کہ اس علمی ترقی، تجرباتی سائنسی، اور تکنیکی عروج کے باوجود اس وقت ساری دنیا خطرہ سے کیوں دوچار ہے اور خطرہ بھی ایسا ہے جیسے سر پر تلوار لٹک رہی ہو، آج ساری علمی ترقیات اور جدید ترین انکشافات کے باوجود پوری انسانیت موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا ہے اور معلوم نہیں کس وقت اس کا دم آجائے۔

حضرات! اس کا راز یہ ہے کہ خدا نے علم کو اسم کے ساتھ جوڑا تھا خدا نے اپنے نبی امی پر جو خاتم النبیین اور سید المرسلین تھے اور جو قیامت تک انسانیت کی ہدایت ورہنمائی اور قیادت کے لئے بھیجے گئے تھے اور جن کے دین کو قیامت تک پوری انسانیت کی راہنمائی اور اس کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سپرد کی گئی تھی جو پہلی آیت نازل فرمائی وہ یہ تھی اقرأ باسم ربك الذي



خلق خلق الانسان من علق (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم) کو پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ (سورۃ العلق ا۔۲)

یہ پہلی آیت تھی جو بلاد امیہ (ناخواندہ ملک جزیرۃ العرب) اور امت امیہ ناخواندہ قوم کے فرد پر نازل ہوئی اور اس کا اشارہ دیا گیا کہ آپ کی نبوت ورسالت کے فیض سے جو امت وجود میں آئے گی وہ جہالت والی نہیں قرات والی امت ہوگی اور اس کا رشتہ علم کے دامن سے باندھ دیا جائے گا اور وہ حامل قلم بھی ہوگی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی راہنمائی کی جارہی ہے کہ صرف پڑھنا کام نہیں آئے گا بلکہ وہ علم تخریبی بن جائے گا جس کا رابطہ اور رشتہ اسم الٰہی خالق کائنات کی معرفت ویقین اس کی ہدایات پر عمل اور اس کی جزا وسزا اور مکافات عمل اور حساب کتاب کے خوف سے منقطع ہو جائے گا ایسا علم تخریبی بن جائے گا وہ انسانوں میں نفس پرستی قوم پرستی مادہ پرستی پیدا کرے گا۔

اگر تاریخ منصفانہ اور حقیقت پسندانہ طریقہ پر اور عمیق نظر سے لکھی جائے اور دیکھا جائے کہ دنیا میں انسانیت کا زوال کب سے شروع ہوا تو یہ عنوان قرار دینا اور نتیجہ نکالنا ہوگا کہ جب سے علم اور اسم کا رشتہ ٹوٹا، جب علم انسانی اسم ربانی سے آزاد ہوا اور انسان نے اسم کو بھلاتے ہوئے بلکہ اس حقیقت کا انکار کرتے یا فراموش کرتے ہوئے اپنا علمی تجرباتی وترقیاتی سفر شروع کیا کہ اس کائنات کا ایک خالق اور مدبر ہے اور وہی اس کا مالک اور منتظم بھی ہے اور محاسب اور منتقم بھی اسی کا کام پیدا کرنا بھی ہے اور نظام عالم کا چلانا بھی ہے۔

الا لہ الخلق والامر (الاعراف، ۵۴) یاد رکھو اسی کا کام پیدا کرنا ہے اور اسی کا کام نظام عالم کا چلانا بھی ہے، اور اسی سے واسطہ پڑنا ہے اور اپنے عمل وکردار پر انعام یا سزا کا پانا ہے، ھو ربکم والیہ ترجعون (ہود ۳۴) وہی تمہارا پروردگار ہے اور اس کے پاس زندہ ہو کر جانا ہے۔

اس وقت ضرورت تھی کہ ہمارے ہی نہیں بلکہ ترقی یافتہ دنیا کے سائنٹیفک ادارے ٹکنالوجی کے ادارے ایجوکیشن کے ادارے انجینئرنگ کے ادارے بلکہ پولیٹیکل ادارے اور طاقتیں بھی اسم الٰہی کے ساتھ وابستہ ہوں آج یورپ وامریکا کے ہاتھ میں دنیا کی باگ ڈور ہے اور وہ اس کی فکری قیادت بھی کر رہے ہیں اور علمی وسائنسی اور انتظامی قیادت بھی، انہوں نے علم کا رشتہ اسم سے توڑ دیا ہے (کاروان زندگی)



مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج

تحقیقی جائزہ (قسط ۲۰)

قسم کا کفارہ

قوله تعالى : لايؤاخذكم الله باللغو فى ايمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الايمان فكفارته اطعام عشرة مساكين من اوسط ما تطعمون اهليكم او كسوتهم او تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام ذلك كفارة ايمانكم اذا حلفتم.

فى التفسيرات الاحمدية :هذه الآية فى بيان تقسيم الايمان ومايجب فيها من الكفارة وقد مرت نظيرتها فى سورة البقر واقسام الايمان واحكامها مفصلا فى المجلد الاول من الكتاب .

اقسام الايمان

اماالاول ففى قوله تعالى:لايؤاخذ كم الله باللغو فى ايمانكم ولكن يؤاخذ كم بما عقدتم الايمان وهوان اليمين ثلث ،لغووغموس و منعقدة ولايجب الكفارة عندنا الا فى المنعقدة فقط وعند الشافعى يجب فى الغموس ايضا وذلك لان المذكور فى سورة البقر:"ولكن يؤاخذ كم بما كسبت قلوبكم " وههنا "ولكن يؤاخذ كم بما عقدتم الايمان " وقد اطلق الله تعالى المؤاخذة ثمه وبين هنا بالكفارة حيث ذكرها بعدها فالشافعى قال : ان عقد الايمان هو كسب القلب فيدخل فيه الغموس ايضا لان كسب القلب ممايتعلق به المنعقدة والغموس جميعا بخلاف اللغو فانه لاقصد للقلب ثمه والمؤاخذة هنا مقيدة بالكفارة وآية البقر وان كانت مطلقة عنها الاانه يحمل المطلق على



المقيدفظهر التطبيق بهذا الطريق وعندنا المراد "بماعقدتم الايمان "ماقصد تم به وفائها وذلک لايتصور في الغموس اذهي ان يحلف على فعل ماض او تركه والحال انه خلافه فلايتصورفيه العزم على الوفاء بخلاف "بماكسبت قلوبكم "لانه يعمها اذكلاهما صدرا عن القلب دون اللغو فانه حلف على فعل ماض اوتركه ظانا انه حق والحال انه خلافه فيكون الغموس في آية البقرة غير داخل في اللغو بل في كسب القلب والمؤاخذة غيرمقيدة فيحمل على المؤاخذة الاخروية اذهو الفرد الكامل فعلم ان الاثم فيهما جميعا وههنا الغموس داخل في اللغو بقرينة المقابلة والمؤاخذة مقيدة بالكفارة فيكون الكفارة في المنعقدة فقط ومعنى قوله تعالىٰ:"بما عقدتم الايمان "بنكث ماعقدتم اوبما عقدتم اذاحنثتم فحذف المضاف اوالظرف لانه كان معلوما عندهم علىٰ ماسيجئ هكذا قالوا واليه اشار صاحب الهداية حيث قال : واذا حنثلزمته الكفارة لقوله تعالىٰ :"ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الايمان ".

بيان الكفارة

امابيان الكفارة ففي قوله تعالىٰ :"فكفارته اطعام عشرة مسكين "الى اخره فالله تعالى ذكر في كفارة اليمين اربعة اشياء ثلاثة منها على التخيير وهواطعام عشرة مساكين او كسوتهم اوتحريررقبة وواحدة منها على الترتيب وهو صوم ثلاثة ايام بعد ان لم يجد من هولاء الاشياء .وتفصيل كل من هولاء الاشياء مبسوط في الكتب الفقهية فارجع اليها.

الاصل في الاطعام الاباحة ويشترط في الكسوة التمليک

والاصل في الاطعام الاباحة ثبت ذلک باشارة النص لان الاطعام فعل متعد مطاوعة طعم يطعم وهو الاكل فالاطعام جعله آكلا كسائرالافعال اذتعدت بزيادة الهمزة لم يبطل وضعها وحقيقتها فاذالم يكن مطاوعة ملكا لم



یکن متعدیة تملیکا غایة مافی الباب انه لوملکهم جازایضا لان فیه اباحة مع زیادة ویشترط فی الکسوة التملیک لان الکسوة بکسر الکاف اسم للثوب بخلاف ماهو بفتح الکاف فانه اسم للمصدر فقدجعل الله فی الاول الفعل کفارة وهوالاطعام وفی الثانی العین وهوالکسوة فیجب ان یصیر العین ههنا کفارة لانفعه وانمایصیر کذلک بالتملیک دون الاعارة وهذاعندنا و عند الشافعی کمایشترط فی الکسوة التملیک کذلک یشترط فی الاطعام ایضا فان غداهم وعشاهم واشبعهم لم یجز عنده مالم یوجد التملیک والحجة علیه مابینامن تحقیق لفظ الاطعام "فکفارته اطعام عشرة مساکین "فاقتضی ظاهره جواز الاطعام بالاکل من غیر اعطاء الاتری الی قوله تعالی :"ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا "قدعقل منه طعامهم بالاباحة لهم من غیر تملیک قاله الجصاص وقال :"من اوسط ماتطعمون اهلیکم "اطعام الاهل یکون بالتمکین لا بالتملیک .

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۸۹ لایؤاخذکم الله باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اهلیکم او کسوتهم او تحریر رقبة فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم ۔کے تحت تفسیرات احمدیہ کے حوالے سے ذکر فرماتے ہیں کہ: یہ آیت ایمان کی تقسیم اوروجوب کفارہ کے بارے میں ذکر کی گئی ہے ۔

قسموں کی تین اقسام ہیں: ۱۔یمین لغو ۲۔یمین غموس ۳۔یمین منعقدہ

حنفیہ کے نزدیک صرف یمین منعقدہ پر کفارہ واجب ہوتا ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک یمین غموس پر بھی کفارہ واجب ہے ۔

کفارہ کے بیان میں فرماتے ہیں کہ: کفارہ کی آیت فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اهلیکم او کسوتهم او تحریر رقبة فمن لم یجد



فصیام ثلاثة ایام ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم میں اللہ تعالیٰ نے کفارہ میں چار چیزیں ذکر فرمائیں، تین اشیاء میں اختیار دیا، اول دس مساکین کو کھانا کھلانا، دوم ان کو کپڑا پہنانا، سوم غلام آزاد کرنا۔

اگر ان تینوں اشیاء میں سے بالترتیب کسی حکم پر عمل کرنے پر قادر نہ ہوسکے تو پھر چوتھے نمبر پر تین دن کے روزے ہیں، ان کی تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

اس کے ضمن میں ایک اہم مسئلہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

کھانا کھلانے میں اصل اباحت اور کپڑا پہنانے میں اصل تملیک ہے یعنی کھانا کھلانے میں اباحت اور کپڑا پہنانے میں مالک بنا دیا جائے اور اس میں عاریۃً کپڑا نہ دیا جائے۔

جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ: جس طرح کپڑا پہنانے میں اصل تملیک ہے اسی طرح کھانا کھلانے میں بھی تملیک ہونی چاہئے، امام شافعی پر حنفیہ کی دلیل **اطعام** کا لفظ ہے یعنی کھانا کھلانا نہ کہ کھانے کا مالک بنا دینا، جیسا کہ سورۃ الدھر کی آیت میں **ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا** میں جن لوگوں کا ذکر فرمایا وہ بطور اباحت کھانا کھلاتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے **من اوسط ما تطعمون اهلیکم** یعنی اہل کو بطور تمکین کھانا کھلانا ہے نہ کہ بطور تملیک کے کھانا دینا۔ (جاری)

دعاءِ مغفرت کی درخواست

دارالعلوم دیوبند وقف کے مہتمم متکلم اسلام حضرت مولانا قاری محمد سالم قاسمی مدظلہم کی اہلیہ محترمہ گذشتہ ماہ انتقال فرما گئیں ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازیں۔

مولانا مفتی محمد حنیف خالد استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی کے چھوٹے بھائی محمد صدیق ناصر کا انتقال ہوگیا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازیں، آمین۔ قارئین الحقانیہ سے دعاءِ مغفرت کی درخواست ہے۔

یادرفتگاں مولانا ضیاء الرحمٰن جالندھری ملتان

بحرالعلوم حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش محدث کاندھلوی رحمہ اللہ

(قسط ۲)

حضرت مفتی صاحب کا اپنے چھوٹے بھائی سے بیعت اور اجازت بیعت

حضرت شاہ عبدالعزیز کے دریائے کمال سے استفادہ کے بعد حضرت مفتی صاحب نے مسند درس وافادہ کو زینت بخشی ابھی کچھ عرصہ ہی گزرا کہ آپ کو سلسلہ نقشبندیہ کے طریقہ پر سلوک کا اور اس سلسلہ کے کمالات حاصل کرنے کا خیال آیا، اس قصد سے متعدد بزرگوں اور اہل طریقت سے رجوع کیا، مگر جس چیز کی تلاش تھی وہ کہیں نہیں ملی، اس کشمکش کے زمانہ میں بھوپال کے اطراف کے ایک سفر میں ایک درویش کامل سے ملاقات ہوئی اس نے کہا جب تک اپنے بھائی شاہ کمال الدین (حضرت مفتی صاحب کے چھوٹے بھائی تھے ابتدائی تعلیم مفتی صاحب سے حاصل کی اور حدیث شریف حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے پڑھی بیعت وخلافت کا تعلق شاہ ابوالعدل م ۱۲۰۴ھ خلیفہ حضرت خواجہ محمد زبیر نقشبندی مجددی م ۱۱۵۱ھ سے تھا) سے بیعت ہو کر استفادہ نہ کرو گے تمہارا مقصد حاصل نہ ہوگا جس چھوٹے بھائی کی بچپن میں تربیت کی ہو اور سبقاً سبقاً تمام کتابیں پڑھائی ہوں، اس سے بیعت ہونے کا فیصلہ آسان نہیں تھا، مگر مفتی صاحب فنائیت اور اخلاص کے ایسے مقام پر فائز تھے کہ اس مشورہ کو ماننے قبول کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوا۔ مفتی صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی شاہ کمال الدین سے عام متوسل ومسترشد کی حیثیت سے رجوع ہونے کا فیصلہ فرمالیا چھوٹے بھائی شاہ کمال الدین سے عقیدت اور خوش دلی کے ساتھ بیعت کی اور اجازت وخلافت پائی۔

حضرت سید احمد شہید سے استفادہ

حضرت شاہ کمال الدین سے بیعت استفادہ کے بعد خانوادہ ولی اللہی اور نقشبندیہ مجددیہ سلسلوں کا فیضان مفتی صاحب میں جمع ہوگیا تھا، گویا مفتی صاحب کی ذات مجمع البحرین



ہوگئی تھی مگر ابھی مفتی صاحب کو اور دور تک جانا تھا، اس لئے سفر کا آغاز حضرت شاہ عبدالعزیز کے اشارہ وایماء پر حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی م ۱۲۴۶ھ سے ارادت ودل بستگی سے ہوا، جو اس دور میں اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی اور برصغیر کے مسلمانوں کے لئے روشن مستقبل کی نوید تھے، جو آج بالاکوٹ کی حسین جنت نما وادی کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

سید صاحب ۱۲۳۴ھ میں اطراف دہلی کے تبلیغی سفر پر نکلتے تھے اسی سفر کے دوران کاندھلہ میں بھی تشریف لائے اور مفتی صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے مفتی صاحب نے سید صاحب کے کمالات باطنی کا اندازہ فرما لیا تھا اس لئے بلا تامل سید صاحب سے بیعت ہوکر ان کے علوم وکمالات سے مستفید ہوئے۔ نیز سید صاحب نے بھی مفتی صاحب کو اجازت وخلافت سے نوازا اور اپنے طریقہ سلوک وتربیت کی تفصیلی تعلیم فرمائی۔

تدریس: مفتی صاحب کے حلقہ درس وتعلیم کا آغاز زمانہ تعلیم میں ہوگیا تھا، اس کا اہتمام خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا تھا شاہ صاحب نے ہدایت فرمائی کہ ان کی موجودگی میں درسی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھائیں، چنانچہ مفتی صاحب شاہ صاحب کی موجودگی میں طلبہ کو درس دیتے تھے، شاہ صاحب بنفس نفیس تشریف رکھتے اور توجہ کے ساتھ مفتی صاحب کے طرز تعلیم اور فن سے مناسبت ومہارت کا مشاہدہ اور نگرانی فرماتے تھے، جب حضرت شاہ صاحب کی نگرانی وتربیت نے مفتی صاحب کی ایک ایک خوبی کو خوب جانچ پرکھ لیا اور ہر امتحان میں کامیاب پایا تو مفتی صاحب کو اجازت مرحمت فرمائی کہ اب وہ اپنا حلقہ درس قائم کریں دینی رہنمائی اور فقہ وسنت کے ذریعہ مخلوق کی خدمت فرمائیں حضرت مفتی صاحب کی مدت تدریس کا زمانہ تقریباً ۴۳ سال بنتا ہے ان میں ۳ سال حضرت شاہ صاحب کی موجودگی میں تدریس کا زمانہ بھی شامل ہے۔

منصب افتاء پر پہلا تقرر اور مفتی کا خطاب: حضرت شاہ عبدالعزیز کی بحث ومذاکرات کی مجلس میں عادت شریفہ یہ تھی کہ بحث ومذاکرات کے وقت کلمات فرما کر خاموش ہو جاتے اور اپنے ممتاز شاگردوں میں سے جن طلباء کی صلاحیت پر خاص اعتماد ہوتا اس گفتگو کو مکمل کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ ایسی ہی ایک بحث کے موقع پر نواب نجیب الدولہ کا بیٹا ضابطہ خان بھی موجود



تھا اس مجلس میں مفتی صاحب کی گفتگو، عالمانہ دلائل، موضوع پر ماہرانہ گرفت اور ذہانت وذکاوت سے ایسا متاثر ہوا کہ پھر ضابطہ خان کی نگاہ میں کوئی نہ جچا۔ ضابطہ خان نے اسی وقت فرمائش کی کہ اس نوجوان عالم کو میری ریاست میں مذہبی معاملات کی نگرانی اور صدر مفتی کی حیثیت سے عطا فرما دیجئے اس وقت شاہ صاحب نے معذرت فرمائی اور کہا تعلیم مکمل کر لیں اس وقت دیکھا جائے گا، جب شاہ صاحب کے مدرسہ سے مفتی صاحب کے رخصت ہونے کا وقت قریب آیا اس وقت شاہ صاحب نے ضابطہ خان کی فرمائش پر توجہ فرمائی اور اپنے نمائندہ اور قائم مقام کی حیثیت سے مفتی صاحب کو ضابطہ خان کی ریاست سے وابستہ ہونے کی ہدایت کی ۔یہ واقعہ ۱۱۷۵ھ بمطابق ۱۷۷۱ء نجیب الدولہ کی وفات کے فوراً بعد کا ہے اس وقت ضابطہ خان کا مرکز ریاست (غوث گڈھ) علماء اور اہل کمال کا مرجع ومجمع بنا ہوا تھا، مفتی صاحب غوث گڈھ تشریف لے گئے اور بہت اعزاز ووقار کے ساتھ مفتی اول کے عہدہ پر فائز رہے اس وقت سے مفتی کا خطاب مفتی الٰہی بخش کے نام کے ساتھ اس طرح وابستہ ومنسلک ہوا ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں ۔حضرت مفتی صاحب نے ریاست غوث گڈھ کے علاوہ مختلف مقامات کو زینت بخشی جن میں کوٹہ راجستھان، بھوپال، تھانہ بھون، بڈھانہ، کاکوری، سہارنپور پھر زندگی کے آخری ۱۶ سال اپنے وطن کاندھلہ میں ہی قیام رہا۔

تلامذہ: حضرت مفتی صاحب کی تدریس کے ۶۳ سالہ دور میں تلامذہ کی تعداد تو ہزاروں تھی لیکن یہاں چند تلامذہ کا نام پیش کرتا ہوں جن میں (۱) مولانا سید محمد قلندر محدث جلال آبادی م ۱۲۶۰ھ (۲) مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی م ۱۲۹۳ھ (۳) مولانا عبدالرحیم نانوتوی (تینوں مذکورہ حضرات شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداداللہ تھانوی مہاجر مکی م ۱۳۱۷ھ کے اساتذہ تھے (۴) مولانا مرزا حسن علی (صغیر) محدث لکھنوی م ۱۲۵۵ھ (۵) مولانا محمد حسن رام پوری (شہید بالاکوٹ) م ۱۲۴۶ھ (۶) مولانا مغیث الدین سہارنپوری (شہید بالاکوٹ) م ۱۲۴۶ھ (۷) مولانا وجیہ الدین صدیقی سہارنپوری م ۱۲۶۰ھ (۸) مولانا مملوک علی نانوتوی م ۱۲۶۷ھ جیسے ممتاز علماء کرام تھے۔

تصنیفات: حضرت مفتی صاحب کی تقریباً ڈیڑھ سو سے زائد تصنیفات موجود ہیں ان میں سے ایک حضرت مولانا محمد جلال الدین رومی م ۶۷۲ھ کی مثنوی کا تتمہ وتکملہ ہے۔



نکاح اور اولاد: حضرت مفتی صاحب کا نکاح مسنون تھانہ بھون کے فاروقی خاندان میں مسماۃ صالحہ بنت محمد حاتم بن محمد بقاء بن امیر اللہ بن محمد یوسف سے ہوا ان سے ۶ اولادیں حیات رہیں ۲ صاحبزادے (۱) مولانا ابوالحسن م ۱۲۶۹ھ (مولانا انعام الحسن کاندھلوی اور اس خانوادہ کے جد ہیں) (۲) مولانا ابوالقاسم (مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور اس خانوادہ کے جد ہیں) اور چار دختران (۱) وزیر النساء زوجہ حکیم محمد اشرف بن امام الدین کاندھلوی (۲) امیر النساء زوجہ غلام معین الدین بن کریم الدین کاندھلوی (انکی بیٹی خیرا حضرت حاجی امداداللہ تھانوی مہاجر مکی کی اہلیہ محترمہ تھیں) (۳) فاطمہ زوجہ غلام حسین بن غلام محی الدین جھنجھانوی (۴) عائشہ زوجہ امام بخش بن شمس الدین جھنجھانوی۔

وفات: ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

حضرت مفتی صاحب نے حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضری کے وقت سے علم معرفت درس وافادہ اور معمولات کا سلسلہ جاری رکھا آخر کار اس سفر کا بلاوا آ گیا جس سے کسی کو انکار نہیں۔شنبہ کا دن گزار کر شب یک شنبہ میں ایک دوا استعمال کی جس کے کھاتے ہی بے ہوشی طاری ہوگئی ایک شب و روز اسی حال میں گزرے افاقہ کی کوئی صورت نہیں بنی۔اسی حال میں یک شنبہ کی شام ۱۵ جمادی الثانیہ ۱۲۴۵ھ بمطابق ۱۴ دسمبر ۱۸۲۹ء کو مغرب کے وقت جان جان آفرین کے سپرد فرمائی اناللہ وانا الیہ راجعون۔دوسرے دن دوشنبہ ۱۶ جمادی الثانیہ بمطابق ۱۵ دسمبر آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور خاندانی قبرستان میں جو کاندھلہ کی موجودہ عید گاہ سے ملحق ہے اپنے بھائیوں مولانا امام الدین مولانا کمال الدین اور والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے رحمہ اللّٰہ ورضی عنہ وطیب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

مادہ تاریخ وفات

فرد عالم بحر العلوم دویم مولانا روم ملجائے عالم مفتی الٰہی بخش کاندھلوی

۱۲۴۵ھ ۱۸۲۹ء

تعارف کتب

نام کتاب: اصلاحی خطبات ومقالات   افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالقادر قدس سرہ

مرتب: جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری   ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

زیر نظر کتاب میں محترم جناب مرتب زیدمجدہ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مختلف موضوعات پر لکھے گئے مفید مقالات اور خطبات کو بڑے احسن انداز میں ایک جگہ جمع فرمادیا ہے جن کے چند عناوین یہ ہیں (۱) خطبات ومقالات (۲) تعلیم وتزکیہ (۳) فضائل وفوائد (۴) احکام ومسائل۔ نیز حضرت مفتی صاحب کے مختصر حالات زندگی بھی کتاب میں شامل اشاعت ہیں۔

نام کتاب: عارف باللہ مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ اور ان کے مشاہیر تلامذہ وخلفاء

تالیف: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری   ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان صفحات ۲۷۸۔

حضرت اقدس مفتی محمد حسن قدس سرہ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، زیر نظر کتاب میں جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری زیدمجدہم نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اور آپ کے چند مشاہیر تلامذہ اور خلفاء کا مختصر مگر جامع تذکرہ احسن انداز میں پیش کیا ہے۔

نام کتاب: قصص الاکابر قصص الاصاغر   افادات: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

مرتب: حضرت صوفی محمد شہاب الدین صاحب۔   صفحات ۳۳۰۔

ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان   فون ۴۵۱۹۲۴۰-۴۵۴۰۵۱۳-۰۶۱

یہ ایک مسلمہ حقیقت اور نا قابل تردید صداقت ہے کہ کبھی کوئی ایک واقعہ اور ملفوظ انسان کی کایا پلٹ دیتا ہے زیر نظر کتاب میں اللہ کے برگزیدہ بندوں کے پانچ صد سے زائد مستند واقعات کو جمع کیا گیا ہے عوام وخواص کے لیے اس کتاب کا مطالعہ مفید اور نافع ہے۔



